١٠٣٦
حجۃ الاسلام

اِنّ فی ذٰلک لآیات

حجۃ الاسلام

کلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم اِنّما انا قاسم واللہ یعطی

از

افاضات حامی اساطین الموحدین ماحی اساطیر الملحدین حجۃ اللہ علی الخلائق کاشف اسرار المعارف و الحقائق مظہر کمالات السلف الصالحین وارث علوم سیّد الانبیاء والمرسلین جامع الفیوض والبرکات قاسم العلوم والخیرات سیدنا و مولانا محمد قاسم انار اللہ برہانہ وافاض علی العالمین برہ واحسانہ

جسکو

جمعیۃ الانصار کے صیغہ تالیف و اشاعت نے درجہ تکمیل کے واسطے

مولوی رشید احمد صاحب انصاری کے اہتمام سے مطبع احمدی علی گڈہ مین چھپوا کر

مدرسہ اسلامیہ دیوبند سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الرسل وخاتم النبیین وعلیٰ الہ واصحابہ واتباعہ واحبابہ وعلماء امتہ الواصلین الیٰ مدارج الحق والیقین،

بندۂ محمود حمد وصلوٰۃ کے بعد طالبان معارف الہیہ اور دلدادگان اسرار ملت حنفیہ کی خدمت مین عرض کرتا ہی کہ ۱۸۷۶ء میں پادری نولس صاحب اور منشی پیارے لال صاحب ساکن موضع چاندا پور متعلقہ شاہجہانپور نے باتفاق رائے جب ایک میلہ بنام میلہ خداشناسی موضع چاندا پور میں مقرر کیا اور اطراف وجوانب میں اس مضمون کے اشتہار بھجوائے کہ ہر مذہب کے علماء آئیں اور اپنے اپنے مذہب کے دلائل سنائیں۔

تو اُسوقت معدن الحقائق مخزن الدقائق مجمع المعارف مظہر اللطائف جامع الفیوض والبرکات قاسم العلوم والخیرات سیدی ومولائی حضرت مولانا مولوی محمد قاسم

متعنا اللہ تعالیٰ بعلومہ ومعارفہ، نے اہل اسلام کی طلب پر میلۂ مذکور کی شرکت کا ارادہ ایسے وقت مصمم فرمایا کہ تاریخ مباحثہ یعنی ۷- مئی سر پر آگئی تہی - چونکہ یہ امر بالکل معلوم نہ تہا کہ تحقیق مذاہب اور بیان دلائل کی کیا صورت تجویز کی گئی ہی اعتراضات وجوابات کی نوبت آئیگی یا زبانی اپنے اپنے مذہب کی حقانیت بیان یا بیانات تحریری ہر کسی کو پیش کرنے پڑینگے - تو اسلیے بہ نظر احتیاط حضرت مولانا قدس اللہ سرہ کے خیال مبارک میں یہ آیا کہ ہر ایک تحریر جو اصول اسلام اور فروع ضروریہ بالخصوص جو اس مقام کے مناسب ہوں سب کو شامل ہو حسب قواعد عقلیہ منضبط ہونی چاہیے جس کی تسلیم میں عاقل منصف کو کوئی دشواری نہو اور کسی قسم کے انکار کی گنجایش نہ ملے - چونکہ وقت بہت تنگ تہا اسلیے نہایت عجلت کے ساتھ غالباً ایک روز کامل اور کسیقدر شب میں بیٹھکر ایک تحریر جامع تحریر فرمائی ہ جلسہ مذکور میں تو مضامین مندرجہ تحریر مذکور کو زبانی ہی بیان فرمایا اور دربارہ حقانیت اسلام جو کچہہ بہی فرمایا وہ زبانی ہی فرمایا اور اسیلیے تحریر مذکور کے سنانیکی حاجت اور نوبت ہی نہ آئی - چنانچہ مباحثہ مذکور کی جملہ کیفیت بالتفصیل چند بار طبع ہو کر شائع ہو چکی ہی - مگر جب اس مجمع سے بحمد اللہ نصرت اسلام کا پہریرا اڑاتے ہوئے حضرت مولانا المعظم واپس تشریف لاے تو بعض خدام نے عرض کیا کہ تحریر جو جناب نے تیار فرمائی تہی اگر مرحمت ہو جاے تو اسکو مشتہر کر دینا نہایت ضروری اور مفید نظر آتا ہی یہ عرض مقبول ہوئی اور تحریر مذکور متعدد مرتبہ طبع ہو کر اسوقت تک تسکین بخش قلوب اہل بصیرت اور نور افزای دیدہ اولی الابصار ہو چکی ہے اور مولانا مولوی فخر الحسن

رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اُسکے مضامین کے لحاظ سے اُسکا نام حجۃ الاسلام تجویز فرماکر اول بار شائع فرمایا تھا جس کی وجہ تسمیہ دریافت کرنیکی کم فہم کو بھی حاجت نہوگی،

اُسکے بعد چند مرتبہ مختلف مطابع میں چھپکر وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہی، صاحبان مطابع اس عجالہ مقبولہ اور نیز دیگر تصانیف حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اشاعت دیکھکر صرف بغرض تجارت معمولی طور پر اُنکو چھاپتے رہے کسی اہتمام زائد کی حاجت اُنکو محسوس نہوئی۔ اسیلیے فقط کاغذ اور لکھائی اور چھپائی ہی میں کوتاہی نہیں ہوئی بلکہ تصحیح عبارت میں بھی نمایاں خلل پیدا ہوگئے۔ اس حالت کو دیکھکر کفش برداران قاسمی اور دلدادگان اسرار علمی کو بے اختیار اس امر پر کمربستہ ہونا پڑا کہ صحت خوشخطی وغیرہ تمام امور کا اہتمام کر کے اس عجالہ مقدسہ کو چھاپا جاوے اور بغرض توضیح حاشیہ پر ایسے نشانات کردیے جائیں جس سے تفصیل مطالب ہر کسی کو بے تکلف معلوم ہو جاوے۔ اور جملہ تصانیف حضرت مولانا نفع اللہ المسلمین بفیوضہ کو اسی کوشش اور اہتمام کے ساتھ چھاپکر اُنکی اشاعت میں سعی کی جائے واللہ ولی التوفیق،

اس تحریر کی نسبت حضرت مولانا کی زبان مبارک سے یہ بھی سنا گیا کہ جو مضامین تقریر دلپذیر میں بیان کرنیکا ارادہ ہے وہ سب اس تحریر میں آگئے۔ اُسقدر تفصیل نسہی بالاجمال ہی سہی۔ ایسی حالتمیں تقریر دلپذیر کے تمام ہونیکا جو قلق شائقان اسرار علمیہ کو ہے اُسکے مکافات کی صورت بھی اس رسالہ سے بہتر دوسری نہیں ہوسکتی۔

اب طالبان حقائق اور حامیان اسلام کی خدمت میں ہماری یہ درخواست ہے

کہ تائید احکام اسلام اور مدافعت فلسفہ قدیمہ وجدیدہ کے لیے جو تدبیریں کی جاتی ہیں اُنکو بجاے خود رکھکر حضرت خاتم العلماء کے رسائل کے مطالعہ میں بھی کچھہ وقت ضرور صرف فرماویں اور پورے غور سے کام لیں اور انصاف سے دیکھیں کہ ضروریات موجودہ زمانہ حال کے لیے وہ سب تدابیر سے فائق اور مختصر اور بہتر اور مفید تر ہیں یا نہیں۔ اہل فہم خود اسکا کچھہ تجربہ تو کرلیں، میرا کچھہ عرض کرنا اسوقت غالباً دعوے بلادلیل سمجھکر غیر معتبر ہوگا اسیلیے زیادہ عرض کرنے سے معذور ہوں، اہل فہم وعلم خود موازنہ اور تجربہ فرمانے میں کوشش کرکے فیصلہ کرلیں۔ باقی خدام مدرسۂ عالیہ دیوبند نے تو یہ تہیہ بنام خدا کرلیا ہے کہ تالیفات موصوفہ مع بعض تالیفات حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ، وغیرہ تصحیح اور کسیقدر توضیح وتسہیل کیساتھ عمدہ چھاپ کر اور نصاب تعلیم میں داخل کرکے اُنکی ترویج میں اگر حقتعالیٰ توفیق دے تو جان توڑ کر ہر طرح کی سعی کیجاے۔ اور اللہ کا فضل حامی ہو تو وہ نفع جو اُنکے ذہن میں ہے اوروں کو بھی اُسکے جمال سے کامیاب کیا جاے، ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم،

کیا فائدہ فکر بیش وکم سے ہوگا	ہم کیا ہیں، جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا، ہوا کرم سے تیرے	جو کچھ ہوگا، تیرے کرم سے ہوگا

وَاللہُ یُعطی
اِنّما انا قاسم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم

تمہید | اے حاضران جلسہ یہ کمترین اور آپ صاحب بلکہ تمام بنی آدم اوّل سے ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اسلیے ہر کسی کے ذمہ ایک دوسرے کی خیر خواہی لازم ہی۔ اور دوسروں کے مطالب اصلیہ کے بہم پہنچانے میں کوشش کرنی سب کے ذمہ ضرور ہی۔ مگر جیسے آنکھ ناک کا مطلب اصلی دیکھنا سونگھنا اور زبان کان کا مطلب اصلی بولنا سننا ہی ایسے ہی ہر بنی آدم کا مطلب اصلی اپنے خالق کی اطاعت ہی۔ وجہ اس مشابہت کی یہ ہی کہ جیسے آنکھ ناک کان زبان وغیرہ دیکھنے سونگھنے سُننے بولنے کے لیے بنائی گئی ہیں ایسے ہی بنی آدم بھی خدا کی اطاعت کے لیے بنائے گئے ہیں۔

انسان اشرف المخلوقات ہی | شرح اس کی مجھ سے سنیئے زمین سے لیکر آسمان تک جس

چیز پر سوائے انسان کے نظر پڑتی ہے وہ انسان کے کارآمد نظر آتی ہے پر انسان انمیں سے کسی کے کام کا نظر نہیں آتا۔ دیکھئے زمین پانی ہوا آگ چاند سورج ستارے اگر نہوں تو ہمکو جینا محال یا دشوار ہو جاوے۔ اور ہم نہوں تو اشیاء مذکورہ میں سے کسی کا کچھہ نقصان نہیں علی ہذا القیاس درخت جانور وغیرہ مخلوقات اگر نہوتے تو ہمارا کچھہ نہ کچھہ حرج ضرور تہا۔ کیونکہ اور بہی کچھہ نہیں تو یہ اشیاء کبہی کبہی کسی نہ کسی مرض ہی کی دوا ہو جاتی ہیں۔ پر ہم کو دیکھئے کہ ہم انکے حق میں کسی مرض کی دوا نہیں۔ مگر جب ہم مخلوقات میں سے کسی کے کام کے نہیں تو بالضرور ہم اپنے خالق کے کام کے ہونگے ورنہ ہماری پیدایش محض فضول اور بیہودہ ہو جاوے جس سے خالق کی طرف تو بیہودہ کاری کا الزام عائد ہو اور ہماری طرف نکمے ہونیکا عیب راجع ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ کوئی عاقل انکو تسلیم نہیں کرسکتا۔ اور کیونکر تسلیم کریجئے بدلالت آثار و کاربار انسانی انسان کی افضلیت اور مخلوقات پر خصوصاً جمادات نباتات حیوانات وغیرہ اشیاے معلومہ محسوسہ پر ایسی طرح روشن ہے جیسے خوبصورتوں کا بدصورتوں پر صورت میں افضل ہونا اور خوش آوازوں کا بدآوازوں سے آواز میں افضل ہونا اور خوش فہموں کا بدفہموں سے فہم میں افضل ہونا ظاہر و باہر ہے۔ پہر کیونکر ہو سکتا ہے کہ اور سب چیزیں تو کام کی ہوں اور انسان نکما ہو۔ اور اشیاء اگر انسان کے کام میں آتی ہیں تو انسان بیشک خدا کے کام کا ہوگا۔

اللہ تعالی کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا

علاوہ بریں سب صاحبوں سے پوچہتا ہوں یہ تو غلط نہو، کہ آگ جلاہی

کرتی ہی بجھاتی نہیں۔ اور پانی بجھایا ہی کرتا ہے جلاتا نہیں۔ اور یہ غلط ہو جائے کہ حکیم علی الاطلاق حکمت ہی کے کام کیا کرتا ہے کوئی بیہودہ کام نہیں کرتا۔ بیشک جیسے آگ جلاتی ہی ہی بجھاتی نہیں ایسے ہی حکیم علی الاطلاق بہی حکمت ہی کے کام کریگا بیہودہ کام اُس سے سرزد نہونگے۔

پہر کیونکر ہو سکتا ہے کہ انسان کو محض فضول بنایا ہو اُسکے بنانے میں کوئی حکمت نہو یعنی اُسکے بنانے میں کوئی نتیجہ مقصود ملحوظ نہو محض نکمّا ہی ہو۔ ہاں اگر خالق کا حکیم ہونا قابل تسلیم نہوتا تو البتہ کچہہ مضائقہ نہ تہا۔ مگر اسکو کیا کیجئے کہ اُسکے بندے جو اُسکی مخلوق ہیں اور اُن میں جو کچہہ ہی وہ سب اُسیکا دیا ہوا ہی۔ ٹرے بڑے حکیم ہوتے ہیں وہ اگر حکیم نہو تو پہر ان میں حکمت کے آنے کی کوئی صورت نہیں۔ چنانچہ انشاء اللہ عنقریب یہ مضمون دلنشین ہوا چاہتا ہی۔

افعال ارادیہ غرض سے خالی نہیں ہوتے

مگر جب یہ بات ٹہری کہ پیدائش انسانی حکمت سے خالی نہیں تو اُسکے یہی معنی ہونگے کہ اُسکو کسی کام کے لیے بنایا ہی سو سوا خدا کے اور تو یہ کسی کے کام کا ہو نہیں سکتا۔ چنانچہ ابہی واضح ہو چکا ہے ہو نہو خدا ہی کے کام کا ہوگا۔ ہاں اگر انسان کسی کا مخلوق نہوتا تو البتہ یہ احتمال ہو سکتا تہا کہ حکمت بمعنی غوض تو اُسی چیز سے متعلق ہو سکتی ہی جو بنائی ہوئی ہوتی ہی وہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس شے کو اس مطلب کے لیے بنایا ہی۔ ورنہ جو کسی کی بنائی ہوئی نہو کسی کا ارادہ اُسکے بنانے میں مصروف نہوا ہو، کسی کی توجہ اُس طرف نہوئی ہو، جیسے خود خداوند عالم،

وہاں غرض اور مطلب کی گنجایش نہیں۔ گو سب کی مطلب برآری اور کارروائی اُسی سے متعلق ہو۔ مگر اسکو کیا کیجئے کہ بنی آدم کے مخلوق ہونے پر خود اُسی کی ذات وصفات کی کیفیت بزبان حال گواہ ہے چنانچہ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ یہ عقدہ کھُلا چاہتا ہے۔

انسان کا اطاعت خداوندی سے محروم رہنا اُس کی کم نصیبی ہو گو اُس میں کتنے ہی کمالات ہوں

الحاصل مطلب اصلی اس کی پیدایش سے یہی ہے کہ یہ خدا کے کام آئے اور کسی اور کام میں مشغول نہو۔ ورنہ پھر یہ تو احتمال ہی نہیں کہ مطلب اصلی سے اعلیٰ کام اُس سے نکلے۔ ورنہ وہی مطلب اصلی ہوتا اسلئے اسوقت اسکی مثال ایسی ہو جائیگی جیسے فرض کیجئے کپڑا بنایا تھا پہننے کے لیے مگر پہننے کے عوض جلاکر روٹی پکا لیجئے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کپڑے کے حق میں از قسم کم نصیبی ہوگی۔ ایسے ہی انسان بھی اگر اس مطلب اصلی سے محروم رہے جو اصل غرض اُس کی پیدایش سے تھی تو اُس کی کم نصیبی میں کیا کلام ہوگا۔

انسان کی فرمانبرداری سے انسان ہی کو فائدہ ہے نہ حق تعالیٰ کو۔

مگر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کسی کا کسی بات میں محتاج نہیں بلکہ سب اُسی کے محتاج ہیں۔ چنانچہ بدلائل یہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ ثابت ہوا چاہتا ہے۔ تو اُسکا کام بجز اطاعت و فرمانبرداری اور کچھ نہوگا اور اس فرمان برداری کا نتیجہ بجز نفع بنی آدم اور کچھ نہوگا۔ یعنی جیسے مریض کے حق میں اطاعتِ طبیب اور اُس کی فرمانبرداری اُسی کے حق میں مفید ہی طبیب کے حق میں مفید نہیں۔ ایسے ہی خدا کی اطاعت بندہ کے حق میں اُسی کی نسبت مفید ہوگی خدا کی نسبت کچھ مفید نہوگی اور یہ بھی نہو گا کہ کسی کے حق میں مفید نہو

ورنہ پیروی بیہودہ کاری کا الزام لازم آئیگا۔ بہرحال بندہ اطاعتِ خدا کے لیے پیدا ہوا ہے اور اُس لطاعت کا نفع اُسی کو ہے اسلیے اطاعت خود بندہ کے حق میں مطلب اصلی ہوگی۔

اپنا پہچاننا خدا کے پہچاننے پر موقوف ہے

علاوہ بریں عقل ہر چیز کی حقیقت کے پہچاننے کے لیے بنائی گئی ہے اور قدرت لبشری وغیرہ کو اسلیے بنایا ہے کہ حسب ہدایت عقل کام کیا کرے اور ظاہر ہے کہ سب میں اول لائق شناخت وعلم خداوند عالم ہے۔ کیونکہ سب حقائق اُسی کے وجود سے ایسی طرح تاباں ہوئی ہیں جیسے فرض کیجے آفتاب سے دہوپ چنانچہ انشاءاللہ تعالیٰ واضح ہوا چاہتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دہوپ کی حقیقت اس سے زیادہ اور کیا ہے کہ وہ ایک پرتوہ آفتاب ہے۔ مگر چونکہ سب میں اول اپنی ذات کا علم ہوتا ہے اور اپنی حقیقت اُسکا ایک پرتوہ ٹہرا تو بیشک اپنا پہچاننا اور علم اُسکے پہچاننے اور اُسکے علم پر موقوف ہوگا۔

اطاعت خداوندی انسان کے لیے مقتضائے طبعی ہے

مگر خدا کی معرفت میں کم سے کم یہ تو ضرور ہی ہوگا کہ اُسکو غنی اور بے پروا اور اپنے آپکو اُسکا محتاج سمجھے مگر یہ بات ہوگی تو بالضرور اُس کی اطاعت اور فرمانبرداری ایک طبعی بات اور مقتضائے دلی ہوگا۔ اور سوا اُسکے جو کام ایسا ہو کہ خدا کی طاعت اُسپر ایسی طرح موقوف ہو جیسے روٹی کا پکنا مثلاً آگ لکڑی توے کونڈے وغیرہ پر تو وہ طاعت ہی کے حساب میں شمار کیا جائیگا۔ اور مثل اشیاء مذکورہ جو کہانے کے حساب میں شمار کیجاتی ہیں اُس

کام کو طاعتِ خدا کے حساب سے خارج نہ کر سکینگے۔ اور سوا اُسکے اور جو کام ہوگا وہ سب اس کا خانہ سے علیحدہ سمجھا جائیگا۔ اور اسیلیے بوجہ فوت مقصود مذکور وہ کام آدمی کے حق میں از قسم کم نصیبی اور بدبختی شمار کیا جاویگا۔

گمراہی کے دو سبب ہیں غلطی اور غلبہ خواہش

مگر اس بدبختی کا سبب کبھی غلطی ہوتی ہے۔ اور کبھی غلبہ خواہش۔ تو میرے ذمہ بوجہ خیر خواہی جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے لازم ہے کہ غلطی والوں کو غلطی سے آگاہ کروں۔ اور مغلوبانِ خواہش کو اپنا شریکِ مرض سمجھکر فضائل آخرت سمجھاؤں۔ اور ان سے خود اس ترغیب کا امیدوار ہوں۔ مگر چونکہ غلط کار لوگ بمنزلہ اُس مسافر کے ہیں جو شہر مطلوب کی سڑک کو بوجہ غلطی چھوڑ کر کسی اور راہ کو ہو لے۔ اور مغلوبانِ خواہش ایسے ہیں جیسے فرض کیجیے شہر مطلوب کی سڑک پر جاتے ہیں پر باد مخالف قدم بدشواری اٹھنے دیتی ہے۔ اسلیے غلطی والوں کے حال پر زیادہ افسوس چاہیے۔

گمراہوں کی ناکامی اور مغلوبانِ خواہش کی کامیابی کی توضیح بذریعہ مثال

کیونکہ جیسے اُس مسافر کی کامیابی کی کوئی صورت نہیں جو سڑک شہر مطلوب کو چھوڑ کر کسی اور سڑک کو ہولیا ہو اگرچہ کیسا ہی تیز رفتار کیوں نہو۔ ایسے ہی اُن صاحبوں کی کامیابی کی کوئی صورت نہیں جو بوجہ غلطی راہِ مستقیم خدا کو چھوڑ کر کسی اور راہ ہو لیے ہیں اگرچہ وہ کیسے ہی عابد زاہد کیوں نہوں۔ البتہ وہ لوگ جو اُسی راہ کو جاتے ہیں جو خدا تک جاتا ہی پر ہوا و ہوس کے دھکّے بدشواری چلنے دیتے ہیں وہ گو بدشواری پہنچیں پر ایک نہ ایک روز گرتے پڑتے گرم سرد زمانہ چکھتے چکھاتے شہر مطلوب یعنی جنت میں پہنچ رہیں گے گو اثنائے راہ میں نزع اور عذاب کی

تکالیف گوناگوں اُنکو بھگتنی پڑیں۔ اور اُنکا ایسا حال ہو جیسا فرض کیجیے مسافر مشارالیہ باد مخالف کے جھوکوں اور دھکوں کے باعث گر پڑ کر چوٹیں کھائے اور سلامت نہ جائے

نجات دین محمدی ہی میں منحصر ہی

اسلیے بہ نظر خیر خواہی یہ گذارش ہو کہ سوائے دین محمدی کوئی مذہب ایسا نہیں جس میں عقائد کی غلطیاں باعث ترک مدنظر اصلی جسکو صراط مستقیم کہیے نہوئی ہوں۔ تعصب مذہبی کو چھوڑ کر اگر آپ درصاحب غور فرمائینگے تو سب کے سب اسی دین کو اپنے مطلوب اصلی کا راستہ سمجھینگے ہاں جنکو فکر آخرۃ ہی نہو گا اور اُس جنت کی طلب ہی اُسکے دل میں نہو گی جو بمنزلہ شہر مطلوب منزل مقصود ہر عام و خاص ہی تو وہ صاحب بیشک بمقابلہ خیر خواہی کمترین اور اُنکے درپے تردید حق ہونگے اور خود اپنے ہاتھوں اپنے پاؤں کاٹ لینگے۔

رکن اول

خیر ہرچہ باد اباد عاقل کو اہل عقل سے امید تسلیم حق ہی چاہئے اسلیے یہ گذارش ہے کہ اس دین کے اصول نہایت پاکیزہ ہیں۔ دو باتوں پر اس مذہب کی بنا ہی ایک توحید جو خلاصہ لا الہ الا اللہ ہے دوسرے رسالت جو خلاصہ محمد رسول اللہ ہی سوا انکے اور جو کچھہ ہی انہیں دو باتوں کی تفریع و تمہید ہی اول رکن اول کی توضیح کرنا ہوں بعدازاں رکن ثانی کو بیان کرونگا۔

وجود باری

اے حاضران جلسہ سنو اور غیر حاضروں کو سناؤ کہ ہمارا تمہارا وجود پایدار نہیں نہ ازل سے ہے نہ ابد تک رہتا ہے ایک زمانہ وہ تھا کہ ہم پردۂ عدم میں مستور تھے اور پھر اسی طرح ایک زمانہ آنیوالا ہی جسمیں ہمارا نام و نشان صفحہ ہستی سے مٹ جائیگا۔

یہ وجود وہستی کا زوال وانفصال باآواز بلند کہتا ہی کہ ہمارا وجود ہمارا خانہ زاد نہیں مستعار ہے یعنی مثل نور زمین و گرمی آب ہی مثل نور آفتاب و حرارت آتش نہیں مگر جیسے زمین کا نور اور آب گرم۔ کی گرمی آفتاب اور آگ کا فیض اور اُس کی عطا ہی ایسے ہی ہمارا وجود بہی کسی ایسے کا فیض وعطا ہوگا جسکا وجود خانہ زاد ہو مستعار نہو۔ جیسے آفتاب اور آگ پر نور اور گرمی کا قصہ ختم ہوجاتا ہی یوں نہیں کہ سکتے کہ عالم اسباب میں آفتاب۔ اور آگ سے اوپر کوئی اور ہی جسکے فیض سے وہ منور اور یہ گرم ہی ایسے ہی ہمارا وجود جسکا فیض ہوگا اُس پر وجود کا قصہ ختم ہوجاویگا۔ یہ نہوگا کہ اُسکا وجود کسی اور کا فیض ہو ہم اُسی کو خدا اور اللہ اور مالک الملک کہتے ہیں۔

خدا کا وجود اس کی ذات سے کبھی جدا نہیں ہوتا۔

مگر جب اُسکا وجود اُسی کا ہی کسی اور کا دیا ہوا نہیں تو بیشک اُسکا وجود اُسکے ساتھ ایسی طرح لازم و ملازم رہیگا جیسے آفتاب کے ساتھ نور اور آگ کے ساتھ گرمی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آگ ہو اور گرمی نہو آفتاب ہو اور نور نہو۔ ایسے ہی یہ بہی نہوگا کہ خدا کی ذات ہو اور اُسکا وجود نہو۔ بلکہ یہ خیال ہی غلط ہوگا کہ خدا کی ذات ہو اور اُسکا وجود نہو۔ اسیلئے خدا کی ذات کا ہونا بےوجود متصور نہیں ہوتا۔ اس وجود اور موجودیت ہی کو تو خدا کہتے ہیں۔ اور اسیلئے اُس کی ذات اور اُسکے وجود میں ایسی نسبت ہوگی جیسے دو میں اور اُس کی زوجیت یعنی جفت ہونے میں۔ جیسے زوجیت دو سے کسی حالت میں اور کسی وقت میں ذہن میں نہ خارج میں جدی نہیں ہوسکتی ایسے ہی خدا کی ہستی اُس کی ذات سے جدی نہیں ہوسکتی

کیونکہ جیسے عدد دو کی زوجیت ایسی نہیں جیسے اُسکے معدود کی یعنے اُس شے کی جسکو دو کہتے ہیں ایسے ہی خدا کی ہستی اور اُسکا وجود ایسا نہیں جیسے اُس کی مخلوقات کا وجود۔ غرض معدودات کی زوجیت اور مخلوقات کا وجود دونوں کے دونوں مستعار اور قابل زوال ہیں۔ پر عدد دو کی زوجیت اور خدا کی ہستی اور اُسکا وجود اصلی دائم اور قائم ہے۔ ممکن نہیں جو اُس سے جدا ہوجاے۔

رہا آفتاب کا کسوف اور آگ کا بجھ جانا یا آفتاب کا اور آگ کا معدوم ہوسکنا ہمارے دعوے کے مخالف نہیں۔ کیونکہ سورج گہن میں تو سورج کا نور ایسی طرح اوٹ میں آجاتا ہے جیسے چراغ دیوار کی اوٹ میں سارا یا آدھا یا تہائی آجاے۔ الغرض اُسکا نور اُس سے زائل نہیں ہوتا چھپ جاتا ہے۔ اور آگ چراغ کے بجھنے کیوقت اُسکا نور اُس سے جدا نہیں ہوتا بلکہ آگ معدوم ہو جاتی ہے اُس کی گرمی اور نور بھی اُسی کے ساتھ عدم میں چلی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ جدائی اور بیوفائی نہیں بلکہ نہایت ہی درجہ کی معیت اور ساتھ ہے۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ یہ معیت اور ہمراہی وجود میں متصور نہیں۔ کیونکہ وجود کسی چیز کے ساتھ اُسکے عدم میں نہیں جا سکتا۔ یہ بات جب ہی متصور ہے کہ وجود اُس سے الگ ہوجاے اسلیے وہ خداوند عالم بایں وجہ کہ اُسکا وجود اصلی ہے قابل زوال نہیں اور سب کا وجود اُسکا فیض ہے ازلی بھی ہوگا اور ابدی بھی ہوگا نہ کبھی وہ معدوم تھا اور نہ کبھی معدوم ہوگا۔ اور اسی سبب سے یہ بھی ماننا ضرور ہوگا کہ وہ خدا اپنی ہستی میں کسی کا محتاج نہیں۔ اور سب اپنی ہستی میں اُسکے

محتاج ہیں۔ اِسلیے اُسکا جلال ازلی اور ابدی ہی اور سوا اُسکے سب کی عاجزی اور بیچارگی اصلی اور ذاتی۔

اس تقریر سے تو فقط اتنی بات ثابت ہوئی کہ وجود ہمارا خانہ زاد نہیں اُس خدا کا پرتوہ ہے جو اپنے وجود میں مستغنی ہی پر اب اُس کی وحدانیت کی بات بہی سُننی چاہیئے۔

اثبات وحدت

دیکہیے جیسے متعدد روشندانوں کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں پر نور ایک ہی سا ہوتا ہی۔ اور پہر وہ شکلیں بذات خود باہم بہی متمیز ہوتی ہیں اور اُس نور سے بہی متمیز ہوتی ہیں۔ علیٰ ہذالقیاس وہ نور بہی بذات خود ہر شکل سے ممتاز و متمیز ہوتا ہے دوسرے جس چیز کو دیکہیے اُس کی ایک جدی حقیقت ہی گو وجود ایک ہی سا ہی۔ اور پہر ہر حقیقت بذات خود دوسری حقیقت سے بہی متمیز اور وجود مشترک سے بہی متمیز ہے علی ہذالقیاس وجود بہی بذات خود ہر حقیقت سے ممتاز و متمیز ہے۔ اور اِسلیے جیسے روشندانوں کی دہوپوں میں ''دو دو'' باتیں ہیں ایک نور اور ایک شکل۔ پر خود نور میں دو چیزیں نہیں۔ ایسے ہی مخلوقات میں تو ''دو دو'' چیزیں ہیں ایک وجود اور ایک اُنکی حقیقت۔ پر اُس وجود میں دو چیزیں نہونگی۔ اور اِسلیے اُس موجود اصلی میں جسکی نسبت وجود ند کو فیض ہی کیونکر دوئی ہو سکتی ہی۔ کیونکہ جیسے گرمی گرم چیز اور غیر گرم چیز سے اور سردی سرد چیز اور غیر سرد چیز سے نہیں نکل سکتی۔ اور اِسلیے گرمی اور سردی کی مخرج اصلی میں ایسی دوئی کی گنجایش نہیں جو مخالف وحدت گرمی و سردی ہو۔ ایسے ہی

وجود بھی موجود اصلی اور غیر موجود اصلی سے نہیں نکل سکتا۔ اور اسلئے اُسکی مخرج یعنے اُس موجود اصلی میں وجود کی وحدت کی مخالف کوئی دوئی نہو گی۔

بساطۃ الوجود

اور ظاہر ہے کہ وجود میں کسی قسم کی ترکیب نہیں۔ کیونکہ جیسے مرکب کا انتہا آخر کار ایسے اجزا پر ہو جاتا ہی جن میں کچھ ترکیب نہو۔ ایسے ہی ہر چیز کا انتہا وجود پر ہی۔ وجود سے آگے اور کوئی جز نہیں نکل سکتا۔

اس تقریر سے تو موجود اصلی یعنی خدا کی ذات میں وحدت ثابت ہوئی جسکا حاصل یہ نکلا کہ خدا کی ذات میں ترکیب نہیں اب اُس وحدانیت کی بات بھی سینئے جسکا حاصل یہ ہو کہ دوسرا اُسکا ثانی بھی کوئی نہیں۔

اثبات وحدانیت

اے حاضران جلسہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ہمارے احاطہ وجود میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں۔ یعنی جتنے دَور میں کو ہم آئے ہیں اُتنے دور میں اور کوئی نہیں سماتا۔ جب ہمارا وجود ضعیف اپنے احاطہ میں کسی کو آنے نہیں دیتا اُس موجود اصلی کا وجود قوی کیونکر اپنے احاطہ میں کسی دوسرے کو سمانے دیگا۔ اور ظاہر ہے کہ وجود کے احاطہ کے برابر نہ انسانیت کا احاطہ ہے نہ حیوانیت کا احاطہ ہی نہ جسمیت کا احاطہ ہی نہ جوہریت کا احاطہ ہے۔ یہی وجہ ہی کہ سب کو موجود کہتے ہیں اور سب موجودات کو انسان یا حیوان یا جسم یا جوہر نہیں کہہ سکتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ احاطہ وجود سب احاطوں میں وسیع ہی۔ اور اُس سے اوپر کوئی احاطہ نہیں۔ یعنی ایسا کوئی مفہوم نہیں کہ وہ وجود اور غیر وجود کو شامل ہو۔ اسلیے یہ بات ماننی لازم ہی کہ جیسے کشتی کے احاطہ میں کسی دوسری

کشتی یا دوسری کشتی کی حرکت کی گنجایش نہیں۔ ایسے ہی موجود اصلی کے احاطہ میں جو بمقابلہ کشتی متحرک ہی اور فیض وجود عالمگیر کے احاطہ میں جو بمقابلہ حرکت کشتی ہی۔ جو کشتی نشینوں کے حق میں اُسکا فیض ہی کسی دوسرے موجود اصلی اور فیض وجود کی گنجایش نہیں ہو سکتی۔

وحدانیت کی دوسری دلیل

علاوہ بریں اگر دو یا زیادہ موجود اصلی ہونگے تو پہر وہ دونوں آپس میں متمیز بھی ضرور ہونگے۔ یعنی اُن میں دوئی ہوگی۔ لیکن باوجود اسکے وجود ایک ہی ہوگا۔ کیونکہ دونوں کو موجود کہنا خود اس بات پر شاہد ہی کہ وہ ایک چیز ہے جو دونوں میں مشترک ہی۔ اگر مشترک نہوتی تو ایک لفظ ایک معنی کی روسے دونوں کے لیے بولنا صحیح نہوتا۔

اس صورت میں وہ چیزیں جنکے سبب امتیاز باہمی ہی وہ کچھ اور ہونگے اور یہ وجود کچھ اور شے ہوگا۔ الغرض تعدد ہوگا۔ تو سامان امتیاز بھی ضرور ہوگا۔ مگر امتیاز بے اسکے متصور نہیں کہ ماوراء وجود مشترک دونوں میں اور کچھ بھی ہو۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ ایک میں فقط وجود ہو کیونکہ اول تو وجود صفت ہی اور صفت کا تحقق بے تحقق موصوف ممکن نہیں دوسرے اس صورت میں ایک طرف اگر فقط وجود ہوگا تو دوسری طرف اُسی کا فیض ہوگا۔ اور وہی وحدت و وحدانیت ثابت ہو جائیگی۔ ورنہ تعدد وجود لازم آئیگا جسکے بطلان پر اتنی ہی بات کافی ہی کہ دونوں جا ایک ہی معنی اور مضمون ہی۔

شے واحد کی علت دو مختلف چیزیں نہیں ہو سکتیں۔

مگر اس صورت میں وہ دو چیزیں علت وجود مشترک نہونگی۔ کیونکہ معلول پرتوہ علت ہوتا ہے اور ایک شے واحد دو مختلف

چیزوں کا پرتوہ نہیں ہوسکتی - الغرض دونوں چیزیں باہم بھی ممتاز ہونگی اور وجود مشترک سے بھی ممتاز ہونگی - اسلیے وجود اور شے میں جسکی اسوقت ایسی صورت ہوجائیگی جیسے زمین اور نور کی ہو کوئی رابطہ ذاتی نہوگا جو مانع انفصال ہو - اسلیے ایک دوسرے سے جیسے متصل ہے ویسے ہی جدا بھی ہوسکیگا - اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ موجودیت اصلیہ خاک میں ملجائیگی اور اُس سے اوپر اور کوئی موجود ماننا پڑیگا جسکا وجود اصلی ہوگا

احاطہ وجود کے اندر اور باہر کوئی اُسکا ثانی نہیں

الغرض وجود ایک مضمون واحد ہے اُسکا مخرج بھی واحد ہی ہوگا پھر اُسکے احاطہ وجود میں تو اسلیے اُسکی ثانی کی گنجایش نہیں کہ یہ بات تو ہمارے احاطہ وجود میں بھی ممکن نہیں - حالانکہ ہمارا وجود اُسکے وجود سے ایسی طرح ضعیف ہے جیسے دہوپ آفتاب کی اُس نور سے جو اُس کی ذات میں ہے - اور اُس سے باہر اسلیے کہ کسی دوسرے کا امکان نہیں - کیونکہ وجود کا احاطہ سب میں اوپر کا احاطہ ہے اُس سے خارج اور کوئی احاطہ نہیں - پھر دوسرا ہو تو کہاں ہو -

وجود ہر طرح سے غیر محدود اور غیر متناہی ہے -

بلکہ فہم وانصاف ہو تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ وجود ہر طرح سے غیر محدود اور غیر متناہی ہے - کیونکہ محدود اور متناہی ہونے کے تو یہی معنی ہیں کہ یہانتک مثلاً ہے اور اس سے آگے نہیں اور یہ بات بجز اسکے متصور نہیں کہ اُس حد کے آگے کوئی شے مانی جاے کہ اُس میں یہ حد نہو اور اُسکے اوپر کوئی مطلق مانا جاے کہ اُس میں یہ قید نہو - مگر جس صورت میں موجود سے اوپر کوئی مطلق اور غیر محدود نہیں تو پھر وجود ہی کو ایسا مطلق اور غیر محدود کہنا پڑیگا جسکے اوپر کوئی مطلق اور غیر محدود نہیں -

جس سے یہ بات خواہ مخواہ لازم آ جائیگی کہ وجود ہر طرح سے غیر متناہی اور غیر محدود اور بجمیع الوجوہ مطلق ہی۔ اس صورت میں کسی دوسرے کی اُسکے آگے گنجایش ہی نہیں۔ کیونکہ غیر متناہی کے آگے کوئی ٹھکانا ہی نہیں ہوتا۔ اسیلیے فیاض وجود ایک وحدہ لاشریک لہ ہوگا اور سوا اُسکے اور سب کا وجود اُسکی عطا اور فیض ہوگا۔

خدا کے لیے باپ بیٹا بھائی نہیں ہوسکتا

مگر جب یہ بات مسلم ہوئی کہ وہ وحدہ لاشریک لہ ہی تو پھر نہ کوئی اُسکا ماں باپ ہوگا نہ کوئی اُسکی اولاد نہ کوئی اُسکا بھائی برادر۔ کیونکہ یہ باتیں جب ہی متصور ہوں کہ باوجود اتحاد نوعی تعدد متصور ہو۔ اور ظاہر ہے کہ خدا کا باپ اور خدا کا بیٹا اور خدا کا بھائی باوجود تعدد خدائی میں ایسی طرح شریک ہونگے جیسے انسان کا باپ اور انسان کا بیٹا اور انسان کا بھائی باوجود تعدد انسانیت میں شریک ہیں لیکن ابھی اس بات سے فراغت ہوئی ہی کہ خدا کا تعدد محال ہی۔ اسیلیے خدا کے لیے بیٹے کا ہونا یا ماں باپ کا ہونا یا بھائی کا ہونا بھی بیشک منجملہ محالات ہوگا۔

خدا کو باپ یا انسان کو بیٹا اگر کہا گیا ہے تو مجاز ہے

البتہ یہ ہوسکتا ہی کہ جیسے رعیت کے لوگ اپنے حاکموں اور بادشاہوں کو بوجہ مزید التفات ماں باپ کہدیا کرتے ہیں اور بادشاہ اور حاکم اُنکو فرزندی کا خطاب دیدیا کرتے ہیں۔ ایسے ہی اگر گہ وبیگاہ کسی بزرگ نبی ولی نے خدا تعالی کو باپ کہدیا ہو۔ یا خداوند تعالی نے کسی اپنے اچھے بندے کو جیسے انبیا یا اولیا فرزند کہدیا۔ تو اُسکے بھی یہی معنی ہونگے کہ خدا تعالی ان بزرگوں پر مہربان ہی۔ حقیقی ابوت یا بنوت ایسی جا پر سمجھہ لینا اور خدا تعالی کو حقیقی باپ اور اُنکو حقیقی بیٹا سمجھنا سخت بیجا ہوگا۔

جس لفظ کا استعمال موجب غلط فہمی ہو اُس کی ممانعت ضروری ہے

تمہیں خیال کرو کہ اگر کوئی شخص کسی حاکم سے اُس کی رعیت کی نسبت لفظ فرزند سنکر یا رعیت سے بہ نسبت حاکم لفظ باپ سُنکر باوجود اُن قرائن کے جو حقیقی معنون کی نفی کرتے ہیں حقیقی معنی سمجھ جاوے اور اسوجہ سے رعیت کے آدمیونکو وارث تاج و تخت اعتقاد کرکے اُس کی تعظیم و توقیر اُسکے مناسب کرنے لگے۔ تو یوں کہو کہ اُسنے غلامونکو میاں کے برابر کردیا۔ اور اسوجہ سے بیشک مورد عتاب بادشاہی ہوجائیگا اور اس طوفان بے تمیزی کا انجام یہ ہوگا کہ یہ شخص تو اپنی سزا کو پہنچے اور رعیت کا یہ خطاب بدلا جاوے۔ تاکہ پہر کوئی ایسی حرکت نہ کرے۔ مگر حاکم اور رعیت میں تو بڑا فرق یہی ہوتا ہے کہ حاکم لباس معزز پہنے ہوئے تاج مرصع سر پر رکھے ہوئے اُمرا و وزرا اپنے قرینوں سے دست بستہ مؤدب کہڑے ہوئے تخت زیر قدم ملک زیر قلم، اور بیچاری رعیت والے ذلیل و خوار نہ لباس درست نہ صورت معقول باہزار خواری و زاری جوتیوں میں استادہ۔ اس قسم کے تفاوت خارجی ظاہر بینوں کے حق میں تفاوت مراتب سمجھنے کو کافی ہوتی ہیں۔ حالانکہ تمام اوصاف اصلی یعنی مقتضیات نوعی اور امکانی میں اشتراک موجود ہے جس سے ایکبار وہم قرابت نسبی ہوجاے تو کچھہ دور نہیں۔ اور خدا میں اور بندہ میں خدائی تو درکنار کسی بات میں بہی اشتراک نہیں ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اسپر بہی کسی بندہ کو بوجہ الفاظ مذکورہ خدا یا خدا کا بیٹا سمجہہ لینا بڑی ہی فاش غلطی ہی۔ اور بیشک یہ اعتقاد غلط اُسکے حق میں باعث عذاب اور اُن بزرگوں کے حق میں موجب سلب خطاب ہوگا۔

ابطال سنت کی دلیل

علاوہ بریں خدائی اور حاجتمندی میں منافات ہی خدا وہ ہی جسکا وجود خانہ زاد ہوا اور ظاہر ہے کہ جب وجود خانہ زاد ہوا تو پھر ساری خوبیاں موجود ہونگی۔ کیونکہ جس خوبی کو دیکھئے علم ہو یا قدرت جلال ہو یا جمال۔ اصل میں یہ سب باتیں وجود ہی کے تابع ہیں - اگر کوئی شے موجود نہو تو پھر اُس میں علم و قدرت وغیرہ اوصاف بھی نہیں آسکتے یہ کب ممکن ہی کہ زید مثلاً موجود نہو اور عالم ہو جاے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ اوصاف حقیقت میں وجود کے اوصاف ہیں اگر اسکے اوصاف نہیں تو بیشک ان اوصاف کا اپنے موصوف میں قبل وجود موصوف ہونا ممکن ہوتا۔ اسیلئے یہ بات واجب التسلیم ہے کہ خدا میں سب خوبیاں پوری پوری ہیں اور کسی قسم کی حاجت نہیں۔ کیونکہ حاجت اسی کو کہتے ہیں کہ کوئی جی چاہتی چیز نہو مگر سوائے خوبی اور کیا چیز ہے جسکو جی چاہی۔

ذات خداوندی تمام عیوب سے منزہ اور تمام کمالات کی جامع ہے

اس تقریر سے جیسا یہ معلوم ہوا کہ خداوند عالم کسی بات میں کسی کا محتاج نہیں ایسا ہی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اُس میں کوئی عیب نہیں۔ کیونکہ عیب سوا اسکے اور کیا ہی کہ اُس میں کوئی خوبی نہو اور نیز اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سوائے خدا تمام موجودات ہر بات میں خدا کے محتاج ہیں۔ کیونکہ جب وجود میں خدا کے محتاج ہوئے تو اور خوبیوں میں بدرجہ اولےٰ محتاج ہونگے - اسیلئے سوائے وجود جو کوئی خوبی کی بات ہی وہ اصل میں وجود ہی کی صفت ہی۔

جملہ جمادات و نباتات علم و فہم و حس و حرکت سے خالی نہیں

اور اس لیے اس بات کا بھی اقرار کرنا ضرور ہو گا کہ ہر چیز

میں کچھ نہ کچھ علم و فہم حس و حرکت کی قوت ہی۔ کیونکہ جب علم وغیرہ اوصاف اصل میں وجود کے اوصاف ٹھہرے تو پھر جہاں جہاں وجود ہوگا وہاں وہاں یہ اوصاف بھی ضرور ہونگے۔ اسلیے کہ اوصاف اصلیہ جدا نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ ظاہر ہے البتہ یہ بات مسلم کہ جیسے آئینہ اور پتھر لوہہ بوجہ تفاوت قابلیت آفتاب سے برابر فیض نہیں لے سکتے گو اس کی طرف سے برابر فیض نور رواں ہو۔ ایسے ہی بوجہ تفاوت قابلیت انسان کے برابر کوئی چیز قابل العلم نہیں ہوسکتی۔

انسان کا سراپا احتیاج ہونا

مگر جیسے قابلیت کمال اس میں سب سے زیادہ ہی ایسے ہی احتیاج بھی اس میں سب سے زیادہ۔ دیکھ لیجیے زمین کو تو لبظاہر سولے خدا اور کسی کی حاجت ہی نہیں پر نباتات کو زمین۔ پانی۔ ہوا۔ دہوپ۔ سب کی ضرورت۔ اور پھر حیوانات کو علاوہ حاجت مشار الیہ، کھانے پینے اور سانس لینے کی بھی ضرورت ہی۔ اور انسان میں سوائے حاجات مذکورہ، لباس گہوڑا۔ ٹٹو۔ مکان۔ عزت آبرو وغیرہ کی بہی ضرورت کھیتی باڑی۔ گائے بھینس اونٹ۔ سونا۔ چاندی۔ تانبا۔ روپیہ وغیرہ اسقدر اشیاء کی حاجت ہے جس سے اسکا سراپا حاجت ہونا نمایاں ہی۔ اسلیے یہ کسقدر سخت گمراہی اور غلطی ہی کہ کسی آدمی کو خدا سمجھ لیجیے۔

سراپا احتیاج انسان خدا یا خدا کا بیٹا نہیں ہوسکتا

اور ان حاجات کو بھی جانے دیجیے۔ بول براز تھوک سنک میل کچیل وغیرہ آلائیشوں کو دیکھیے تو پھر خدائی کی تجویز انہیں کا کام ہی جس کو خدا سے کچھ مطلب نہیں۔ افسوس صد افسوس اپنے گھر اگر بندر سور کی شکل کا لڑکا پیدا ہو جائے تو کسقدر رنجیدہ ہوں کہ الٰہی پناہ حالانکہ بندر اور سور اور آدمی اور بہی کچھ نہیں تو مخلوق ہونے اور کہانے پینے اور بول و براز میں تو شریک ہیں۔ اور خدا کے لیے ایسی اولاد تجویز کریں جسکو

کچھ مناسبت ہی نہو تمہیں فرماؤ جو شخص کھانے پینے کا محتاج ہو بول و براز سے مجبور ہو اُس میں اور خدا میں کونسی بات کا اشتراک ہی جو خدا کا بیٹا یا خدا کہتے ہو۔ توبہ کرو اور خدا کے غضب سے ڈرو۔ ایسے محتاج ہو کر ایسے غنی مستغنی کی اتنی بڑی گستاخی۔

مسیح علیہ السلام کا خدا یا خدا کا بیٹا ہونا بدیہی البطلان ہے

جن کو تم خدا یا خدا کا بیٹا سمجھتے ہو اُن میں آثار عبودیت ہم سے بھی زیادہ تھے۔ علاوہ ان عیوب کے جن کو عرض کر چکا ہوں اُن کا زہد و تقویٰ اور خوف و خشیت اور طاعت و عبادت جس میں شب و روز وہ لوگ غلطاں پیچاں رہتے تھے خود اس بات پر شاہد ہے کہ ان میں خدائی کی بو بھی نہ تھی۔ فرعون نے خدائی کا بہروپ اور سانگ تو بنا رکہا تہا وہاں تو یہ بھی نہ تہا۔ جسوقت فرعون کے خدا کہنے والے مستوجب عتاب ہوے۔ تو حضرت عیسیٰ کے خدا کہنے والے کیونکر مستحق عذاب نہونگے یہاں تو ہر پہلو سے بندگی ہی ٹپکتی تھی۔ اقرار تہا تو بندگی کا تہا اور کار تہا تو بندگی کا تہا۔ اگر وہ اپنے بندہ ہونیکو چھپاتے اور دعوے خدائی کرتے عبادت زہد تقوے سے کچھ مطلب نہ رکھتے تو خیر کسی غافل یا جاہل کو اگر بوجہ معجزات اُنکی طرف گمان خدائی ہو جاتا تو ہو جاتا افسوس تو یہ ہی کہ عقل و دانش سب موجود وہاں بجز آثار بندگی اور کوئی چیز نہیں۔ تسپر اُنکو خدا کہے جاتے ہیں اور باز نہیں آتے۔ یہ کس شراب کا نشہ ہے جسنے عقل و دانش سبکو بیکار کر دیا۔ کیا عقل و دانش فقط اس متاع قلیل دنیا ہی کے لیے خدا نے عطا فرمائی تھی ہرگز نہیں یہ چراغ بے دود راہ دین کے نشیب و فراز کے دریافت کرنے کے لیے تہا۔ اب بھی کچھ نہیں گیا باز آؤ توبہ کرو اور ایسی گستاخیاں کر کے اپنی عاقبت خراب نکرو۔

ابطال تثلیث

تسپر یہ کیا ستم ہی کہ اُس ایک خداکو ایک ہی حقیقت کی روسے کہتے ہو اور تین بھی حقیقت ہی کی روسے کہتے ہو - اور باز نہیں آتے - اے حضرات عیسائی درد منداں نوعی کے باعث یہ کمترین خستہ حال سمع خراش ہی کہ اصول دین میں ایسی محال باتوں کا ہونا بیشک اہل عقل کے نزدیک بطلان مذہب کے لیے کافی ہی -

عقیدہ کے لیے مطابقت واقع ضرور ہی اور عقائد کی غلطی کو مذہب کا غلط ہونا لازم -

صاحبو - عقیدہ ایک قسم کی خبر ہوتی ہی جسکے صحیح وصادق ہونے پر مذہب کا صحیح وصادق ہونا اور اُسکے غلط اور جھوٹ ہونے پر مذہب کا غلط اور جھوٹ ہونا موقوف ہوتا ہی - کیونکہ اور باقی کارخانہ یعنی بندگی وعبادت اُسی خبر اور اعتقاد کے باعث ہوتا ہی - مگر تمہیں کہو ایک شے کی حقیقت میں ایک ہونے اور پہر حقیقت میں تین ہونے کو کس کی عقل صحیح وصادق کہدیگی - یہ ایسی غلطی عظیم الشان ہی جسکو لڑکوں سے لے کر بوڑہوں تک بے بتلائے سمجھہ جاتے ہیں تثلیث اور توحید کے اجتماع کے محال ہونے پر تو عقل ایسی طرح شاہد ہی جیسے آنکھہ آفتاب کے نورانی ہونے پر - یعنی جیسے بے واسطۂ غیر ہرکسی کو اپنی آنکھ سے آفتاب کا نورانی ہونا معلوم ہوجاتا ہی ایسے ہی اجتماع مذکور کا محال ہونا بے واسطہ دلیل عقل کے نزدیک واضح اور روشن ہی - اور اودہر اجتماع مذکور کے ثبوت پر نہ عقل بے واسطہ شاہد ہی نہ بواسطہ - کوئی قوی دلیل عقلی ہی نہ ضعیف جس سے یہ بات معلوم ہوجائے کہ تثلیث اور توحید دونوں صحیح ہیں - اس صورت میں اگر کوئی انجیل کا فقرہ اس مضمون پر دلالت بھی کرے تو اُس فقرہ ہی کو غلط کہیں گے اور شہادت عقل کو غلط نہ کہیں گے -

بداہت عقل کے مقابل میں کوئی دلیل عقلی نظری معتبر نہیں ہوسکتی

القصہ دلیل نقلی ہو یا عقلی اُس سے جو مطلب ثابت ہوگا وہ بمنزلہ شنیدہ ہوگا اور جو بات بے واسطہ دلیل خود معلوم ہوگی وہ بمنزلہ دیدہ ہوگی اور ظاہر ہی کہ سے شنیدہ کے بود مانند دیدہ ۔ اگر کوئی شخص فرض کرو کہیں اونچی پر کھڑا ہوا آفتاب کو بچشم خود دیکھے کہ کسیقدر اُفق سے اونچا ہی اور ایک شخص کسی دیوار کے پیچھے بیٹھا ہوا بوسیلہ گھڑی یہ کہے کہ آفتاب غروب ہوچکا ۔ تو وہ شخص جو اپنی آنکھ سے آفتاب کو دیکھ رہا ہے بالیقین یہی سمجھے گا کہ یہ گھڑی غلط ہی ۔ القصہ جیسے گھڑی اوقات شناسی کے لیے بنائی گئی ہی مگر بمقابلہ چشم بینا اُسکا اعتبار نہیں اور وجہ اس کی یہ ہی کہ گھڑی میں غلطی ممکن ہی ۔ ایسے ہی انجیل بھی ہدایت کے لیئے اتاری گئی ہی مگر بمقابلہ عقل مصفا اُس کا اعتبار نہیں اور وجہ اس کی یہ ہی کہ نقل کتاب میں غلطی ممکن ہی ۔ البتہ جیسے آنکھ بشرطیکہ صاف ہو اپنے ادراک میں غلطی نہیں کرتی اور اُسکا ادراک یہی ہی کہ مبصرات کو بے واسطہ غیر دریافت کرے نوبت سماعت کی نہ آئے ایسے ہی عقل مصفا بھی اپنے ادراک میں غلطی نہیں کرتی ۔ مگر اُسکا ادراک یہی ہی کہ معقولات کو بے واسطہ دلائل سمجھے ۔ نوبت استدلال نہ آئے ۔

باقرار علماء مسیحیین مضمون تثلیث الحاقی ہی

پہر طرفہ یہ ہی کہ وہ فقرہ جو اس قسم کے مضامین پر دلالت کرتا ہی خود مسیحیوں کے نزدیک اُنکے علماء کے اقرار کے موافق منجملہ ملحقات ہی ۔ چنانچہ نسخہ بیبل مطبوعہ مرزاپور ۱۸۷۰ء میں اس فقرہ کے حاشیہ پر مہتممان طبع نے جو بڑے بڑے پادری بھی تھے چھاپ بھی دیا ہی کہ یہ فقرہ کسی قدیم نسخہ میں نہیں پایا جاتا ۔ مگر تسپر بھی وہی تعصب اور وہی

عقیدہ ہی۔

سچے عیسائی ہم محمدی ہیں

اے حضرات مسیحی ہمارا کام فقط عرض معروض ہی سمجھانے کی بات سمجھ لینا تمہارا کام ہی خدا سے التجا کرو کہ حق کو حق کر دکھلاوے اور باطل کو باطل کر دکھلاوے۔ بُرا نہ مانو تو سچ یہ ہی کہ سچے عیسائی ہم ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال و افعال کے موافق اُنکو بندہ سمجھتے ہیں۔ خدا اور خدا کا بیٹا نہیں سمجھتے۔ خدا کو ایک کہتے ہیں تین نہیں کہتے۔

حق تعالیٰ کے افعال اختیاری ہیں اضطراری نہیں۔

اسکے بعد یہ گذارش ہی کہ وہ خداوند عالم جسکا جلال ازلی اور ابدی ہی تمام عالم کا بنا بنوالا اور سب کا مارنے جلانے والا ہی۔ مگر اُسکے افعال اُسکے اختیاری ہیں۔ ایسے نہیں جیسے ڈھیلے پتھر کو کہیں پھینک دیجئے تو چلا جاوے نہیں تو نہیں۔ اگر بالفرض ایسا ہو تو یوں کہو وہ اپنی حرکت و سکون میں اوروں کا محتاج ہو جاوے۔ اور اُسکے محتاج نہ رہیں۔ مگر ہر کوئی جانتا ہی کہ بعد تسلیم اس بات کے کہ جو کچھ مخلوقات میں علم و قدرت ہی وہ سب خدا کے فیض سے ہے خدا تعالیٰ کا اوروں کی نسبت مجبور کرنا ایسا ہوگا جیسا یوں کہئے اصل میں کشتی میں بیٹھنے والے متحرک ہیں اور کشتی کی حرکت اُن کا فیض ہی۔ یا آب گرم آگ سے گرم ہے پر گرمی آتش آب کا فیض ہی۔ الغرض یہ نہیں ہو سکتا کہ خداوند عالم باوجود یکتائی اور خالقیت زور و قدرت میں اور کسی کے سامنے مجبور ہو سوا اُسکے اگر ہی تو یہی خلق و عالم ہے پھر اُنہیں سے خالق مجبور ہونے لگے تو اُلٹے بانس پہاڑ کو جانے لگیں۔ اسلئے یہ بات

بالضرور جاننی لازم ہی کہ اُسنے اپنے ارادہ سے سب کچھ کیاہے اور اپنے ارادہ سے سب
کچھ کرتا ہی۔ کیونکہ افعال کی یہی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری اور ایک اضطراری جو کسی اور
کے جبر کے باعث سرزد ہوں۔

افعال خداوندی میں مثل صفات خداوندی ضرورت اور وجوب کا احتمال ہی نہیں۔

مثل صفات ضرورت اور وجوب کا احتمال ہی نہیں ورنہ حاصل
افعال قدیم ہو جاوے۔ اور سب جانتے ہیں کہ حاصل افعال
خداوندی یہی مخلوقات ہیں یا واقعات جو ایک دوسرے کے بعد
ہوتے رہتے ہیں سو اگر افعال قدیم ہوں تو یہ مفعولات بھی قدیم ہو جاویں۔

افعال کے اختیاری ہونے کی دوسری دلیل۔

علاوہ بریں افعال ایک قسم کی حرکت ہوتی ہی اور حرکت میں
ہر دم تجدد اور حدوث رہتا ہے۔ اُس میں قدم کا احتمال ہی
نہیں جو واجب ہونیکا وہم آئے۔ اور جب واجب نہیں تو پھر یہی دو صورتیں ہیں۔

ثبوت تقدیر

یا اختیاری ہو گی۔ مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ ارادہ کے کاموں میں ارادہ سے
پہلے اُس کام کو سمجھ لیتے ہیں۔ مکان اگر بناتے ہیں تو اُسکا نقشہ بنا لیتے ہیں۔ کھانا
پکاتے ہیں تو اُسکا تخمینہ کر لیتے ہیں۔ کپڑا سیتے ہیں تو قطع کر لیتے ہیں۔ اسلیے بضرور
ہے کہ خداوند عالم نے جو کچھ بنایا یا بنائیگا اُسکا نقشہ اور اُسکا تخمینہ اور اُسکا کینڈا بالضرور
اُسکے پاس ہوگا۔ ورنہ لازم آئیگا کہ اُسکے کاروبار مثل حرکات و سکنات حجر و شجر ہوں
نعوذ باللہ۔ اس صورت میں بعض اسباب کا بعض کاموں میں دخیل ہونا ایسا ہوگا
جیسا باوجود تیاری نقشہ مکان معمار اور مزدور وغیرہ کا اس مکان کی تیاری میں دخیل ہونا

یا جیسے کہانے پکانے میں باوجود تخمین مقدار وکیفیت لذات آگ وغیرہ اشیار کا دخیل ہونا
بلکہ غور کیجیے تو جو جو اشیار کسی کام میں دخیل معلوم ہوتی ہیں سارے عالم کی نسبت وہ
بہی منجملہ اجزار نقشہ عالم ہونگی - اگرچہ بہ نسبت نقشہ قدر مقصود خارج ہو - اُسی کو اہل اسلام
تقدیر کہتے ہیں - لغت عرب میں تقدیر بمعنی اندازہ ہے - اور اسوقت وجہ تسمیہ ظاہر ہے
اس صورت میں بہلائی برائی جنت دوزخ اگر ہوں اور بہر جنت میں بہلوں کا جانا اور دوزخ
میں بروں کا جانا ایسا ہوگا جیسا مکان کا والان اور پاخانہ اور راحت وآرام کے لیے یہاں
آنا اور پاخانہ پیشاب کے لیے وہاں جانا جیسے یہاں اگر پاخانہ کی زبان ہو اور وہ
شکایت کرے کہ میرا کیا قصور جو ہر روز مجھ میں پاخانہ ڈالا جاتا ہی اور والان نے کیا انعام
کا کام کیا ہی جو اس میں یہ فرش و فروش وشیشہ آلات وجہاڑ فانوس وعطر وخوشبو ہی
تو اُسکا یہی جواب ہوگا کہ تو اسی کے لایق ہی اور تجہکو اسی کے لیے بنایا ہی اور وہ
اُسی کے قابل ہی اور اُس کو اسی لیے بنایا ہے - علی ہذالقیاس ناپاکی مثل پاخانہ وپیشاب
اگر یہ شکایت کریں کہ ہمنے کیا قصور کیا کہ جو پاخانہ ہی میں ڈالے جاتے ہیں کبہی والان
نصیب نہیں ہوتا اور عطر خوشبو وغیرہ نے کیا انعام کا کام کیا ہی جو ہمیشہ والان ہی میں
رہتے ہیں اور کبہی پاخانہ میں اُنکو نہیں بہیجا جاتا تو اُسکا جواب بہی یہی ہوگا - ایسے ہی
اگر دوزخ اس کی شکایت کرے کہ مینے کیا قصور کیا ہے اور جنت نے کیا انعام کا
کام کیا - یا برائی یہ شکایت کرے کہ مینے کیا قصور کیا جو میرے لیے سوا ے دوزخ
اور بُرے لوگونکے اور کچہہ نہیں - اور بہلائی نے کیا انعام کا کام کیا جو ہمیشہ اچہے آدمی

اور جنت ہی اُسکے لیے ہی۔ یا بُرے آدمی یہ شکایت کریں کہ ہم اگر بُرے ہیں تو تقدیر کی بُرائی ہے ہمارا کیا قصور۔ اور اچھے آدمی اگر اچھے ہیں تو تقدیر کی بھلائی ہو اُن کا کیا زور۔ تو یہاں بھی یہی جواب ہوگا کہ تم اسی لائق ہو اور تمہیں اسی لیے بنایا ہی اور وہ اُسی قابل ہیں اور اُنکو اسی لیے بنایا ہی۔ القصہ اگر بنی آدم اپنے وجود اور کمالات وجود کو مثل علم ارادہ قدرت وغیرہ خدا کی طرف سے مستعار سمجھتا ہے جیسا ہمنے بوجہ اتم سمجھا دیا ہی۔ تب تو یہ جواب ہی کہ اودہر ہم مالک اور ہمکو اختیار اُودہر تمکو اسیلیے بنایا اور تم اسی قابل ہو۔ جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ بندہ سر رضا وتسلیم خم کرلے اور چون وچرا کچھہ نہ کرے۔

افعال خداوندی کے اضطراری ہونیکا ابطال

یا اضطراری مگر اضطراری ہونے کا بطلان تو باینوجہ ظاہر ہوگیا کہ اضطرار اسی مجبوری کو کہتے ہیں سو خدا تعالیٰ اگر مجبور ہوگا تو سوائے عالم اور کون ہی اگر ہوگا تو عالم ہی میں کسی کا مجبور ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات ظاہر البطلان ہے کہ اختیار و قدرت مخلوقات ہو تو خدا کا دیا ہوا اور پھر خدا ہی اُنکے سامنے مجبور ہوجاے اسیلیے کہ اس صورت میں اور اُلٹا خدا تعالیٰ کو مخلوقات سے مستفید کہنا پڑیگا۔ کیونکہ جب خدا تعالیٰ مخلوقات کے سامنے مجبور ہوگا تو یہ معنی ہونگے کہ اُسکے افعال مخلوقات کی قدرت سے اسطرح صادر ہوتے ہیں جیسے کشتی میں بیٹھنے والوں کا پار ہوجانا کشتی کے پار ہوجانے کی بدولت ہوتا ہی مگر ظاہر ہے کہ اس صورت میں جیسے کشتی نشین حرکت میں خود کشتی سے مستفید ہوتے ہیں ایسے ہی اُسوقت خدا تعالیٰ بندوں سے مستفید ہوگا۔ حالانکہ خوب طرح یہ بات ثابت ہوچکی ہی کہ اختیار و قدرت وغیرہ صفات

کمال ہیں بندہ خدا تعالیٰ سے مستفید ہی۔

عالم بجمیع اجزائہ حادث ہی

اس تقریر سے یہ بات بھی اہل عقل کو معلوم ہو گئی ہوگی کہ عالم سارا کا سارا حادث ہی اُس میں سے ایک چیز بھی قدیم نہیں اگر ایک چیز بھی قدیم ہوگی تو اُسی چیز کی نسبت یہ کہنا پڑیگا کہ یہ چیز مخلوق نہیں۔ اور جب مخلوق نہو گی تو دوسرا خدا اور نکلیگا جسکے ابطال کے لیے بعد ملاحظہ تقریرات گذشتہ اور کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ وجہ اس بات کی کہ کوئی چیز قدیم ہوگی تو پھر مخلوق نہو گی یہ ہی کہ خلق یعنی پیدا کرنا ایک فعل ہی بلکہ سب میں پہلا فعل ہی۔ اور خدا کے افعال سب اختیاری ہیں اور اگر خدا نخواستہ اختیاری نہوں اضطراری ہوں تب بھی ایک اختیار ماننا پڑیگا۔ کیونکہ اضطرار کے تو معنی یہی ہیں کہ کسی صاحب اختیار کے سامنے مجبور ہو جاے۔ غرض ہر فعل میں اپنا یا کسی بیگانہ کا اختیار ماننا پڑیگا اور ظاہر ہے کہ ایجاد کا اختیار اُنہیں چیزوں میں متصور ہے جو اپنے وجود سے پہلے معدوم ہوں۔ کیونکہ اختیار ایجاد اسکا نام ہے کہ معدومات کو چاہے معدوم رکھے چاہے موجود کردے۔ جیسا اختیار افنا اسکا نام ہی کہ چاہے موجود رکھے چاہے معدوم کر دے۔ سو اگر موجودات عالم کو خدا تعالیٰ کا مخلوق کہیں گے اور خدا تعالیٰ کو اُنکے پیدا کرنے میں صاحب اختیار سمجھیں گے تو بالضرور ہر شے کے وجود سے پہلے اُسکو معدوم کہنا پڑیگا۔

افعال عباد کا خالق حق تعالیٰ ہی

لیکن جب یہ بات مسلم ہو چکی تو اب اور سنیے کہ جب وجود و کمالات وجود عالم سب خداوند عالم کی طرف سے مستعار ہوئے تو دو باتیں واجب التسلیم

ہو مُیں اول تو یہ کہ مخلوقات کے افعال اختیاری خداوند عالم کے اختیار سے ہوتے ہیں کیونکہ جیسے آئینہ کے نور سے درصورتیکہ عکس آفتاب و ماہتاب و نور آفتاب و ماہتاب اُس میں آیا ہوا ہو۔ اگر در و دیوار منور ہوتے ہیں تو وہ آفتاب و ماہتاب ہی سے منور ہوتے ہیں۔ ایسے ہی درصورتیکہ زور و قدرت مخلوقات خدا کے زور و قدرت سے مستعار ہوئے تو جو کام اُنکے اختیار و قدرت سے ہوگا وہ خدا ہی کے اختیار و قدرت سے ہوگا کیونکہ اُنکا اختیار و قدرت خدا ہی کے اختیار و قدرت سے مستعار ہی۔

تمام مخلوقات کے نفع و ضرر کا مالک حق تعالےٰ ہے

دوسرے یہ بات بھی ماننی لازم ہوگی کہ عالم کا نفع و ضرر سب خداوند عالم کے ہاتھ ہے۔ وجہ اس کی مطلوب ہی تو سینئے دہوپ جسقدر آفتاب کے قبضہ و قدرت میں ہی اُسقدر زمین کے قبضہ و قدرت میں نہیں۔ اگرچہ زمین سے متصل اور آفتاب سے منفصل ہی زمین اسقدر نزدیک کہ اُس سے زیادہ اور کیا ہوگا اور آفتاب سے اسقدر دور کہ لاکھوں کوس کہئے تو بجا ہی۔ مگر تسپر آفتاب آتا ہی تو دہوپ آتی ہی اُدہجاتا ہی تو ساتھ جاتی ہی۔ پر زمین سے یہ نہیں ہوسکتا کہ دہوپ کو چھین کر رکھ لے آفتاب کو اکیلا جانے دے۔ وجہ اسکی بجز اسکے اور کیا ہی کہ نور زمین نور آفتاب سے مستعار ہی مگر یہی ہی تو وجود مخلوقات اور کمالات مخلوقات بہی خدا کے وجود اور کمالات سے مستعار ہیں۔ اسلئے ایسے ہی خداوند عالم اور وجود مخلوقات کو بہی سمجھئے وجود مخلوقات گو مخلوقات سے متصل اور خدا اُس سے وراء الوراء۔ مگر پہر بہی جسقدر اختیار اور قبضہ خدا کا اس وجود پر ہے اُسقدر مخلوقات کا قبضہ اسپر نہیں۔ ان آثار سے ظاہر ہے کہ وجود مخلوقات

ملک مخلوقات نہیں - ملک خالق کائنات ہی - کیونکہ لباس مستعار مستعیر کے بدن سے منفصل
ہوتا ہے مگر بوجہ اختیار داد و ستد معیر کی ملک سمجھا جاتا ہی گو اُس کے بدن سے منفصل نہیں -
ایسے ہی بوجہ اختیار داد و ستد وجود کائنات کو ملک خدا سمجھئے اُسکا دینا لینا جسکو عطا
وسلب اور نفع وضرر بھی کہتے ہیں دونوں اُسی کے ہاتھ میں ہیں -

محبوبیت اصل حق تعالیٰ ہی کے لیے ہے

اور بر علاوہ نفع وضرر بایں وجہ کہ ساری خوبیاں اُسکے لیے مسلّم ہو چکیں
اور سوا اُس کے جس کسی میں کوئی بھلائی ہی تو اُسی کا پرتوہ ہی یہ بھی تسلیم
کرنا ضرور ہوگا کہ محبوبیت اصل میں اُسی کے لیے ہی سوا اُسکے جو کوئی محبوب ہی اُس میں
اُسی کا پرتوہ ہے -

حق تعالیٰ کے سوا قابل عبادت اور اطاعت اور کوئی نہیں ہو سکتا

یہ بات جب ذہن نشین ہو چکی تو اور سنیے کہ مدار کار اطاعت
فقط انہیں تین باتوں پر ہے - یا امید نفع و راحت پر یا اندیشہ
نقصان و تکلیف پر یا محبوبیت پر - نوکر اپنے آقا کی اطاعت نوکری کی امید پر کرتا ہی -
اور رعیت اپنے حاکم کی اطاعت اندیشہ اور خوف تکالیف سے کرتی ہی - اور عاشق اپنے
محبوب کی اطاعت بتقاضاے محبت اُس کی محبوبیت کے باعث کرتا ہی جب یہ تینوں
باتیں اصل میں خدا ہی کے لیے ہوئیں تو ہر قسم کی اطاعت بھی اُسی کے لیے ہونی
چاہیے - اور کسی کو اُسکا شریک کیجئے تو پھر ایسا قصہ ہی کہ نوکر تو کسی کا ہو اور خدمت کسی کی
کرے - رعیت کسی کی ہو اور حاکم کسی کو سمجھے - معشوق کوئی ہو اور یاد کسی کو کرے -
اور ظاہر ہے کہ ایسے نوکر لائق ضبطی تنخواہ اور ایسی رعیت قابل سزاے بغاوت اور ایسے

عاشق دہکے دینے کے لائق ہوتے ہیں۔ انعام واکرام تو درکنار۔ پہراسپر اگروہ غیر جسکی اطاعت میں نوکر سرگرم ہو اور اسوجہ سے آقا کی خدمت چہوڑ بیٹھے خود اُسکے آقا ہی کا غلام ہو اور وہ شخص جسکو رعیت کا آدمی اپنا حاکم سمجھتا ہے خود اُس کی بادشاہی کا ماتحت ہو اور وہ شخص جو معشوق کو چہوڑکر جسکو یاد کرتا ہے وہ خود اُسکے معشوق سے ایسی نسبت رکھتا ہو جیسے آفتاب سے اُسکا وہ عکس جو کسی خراب سے آئینہ میں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں وہ عتاب اول اور بہی بڑہ جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں احتمال ہمسری وزیادتی غیر ہو ہی نہیں سکتا جو اس دغا کے لیے کوئی بہانہ ہو۔

انبیاء و علماء کی اطاعت عین اطاعت خداوندی ہے

بالجملہ اطاعت بجز خداوند عالم اور کسی کی جائز نہیں۔ ہاں جیسے حکام ماتحت کی اطاعت بشرطیکہ وہ اپنے بادشاہ کے ماتحت ہوکر حکمرانی کریں آثار بغاوت نمایاں نہوں عین بادشاہ ہی کی اطاعت ہے۔ اسیلیے کہ حکام ماتحت کے احکام بادشاہ ہی کے احکام ہوتے ہیں۔ ایسے ہی انبیاء اور علماء کی اطاعت بشرطیکہ علماء بمقتضاے منصب نیابت حکمرانی کریں۔ وہ عین خدا ہی کے احکام ہیں۔

انبیاء اور علماء کی اطاعت سے انکی عبادت لازم نہیں آتی

اس تقریر کے بعد یہ گذارش ہے کہ اطاعت یعنی فرمانبرداری بشرطیکہ اپنے حاکم اور فرمانروا کو نفع و ضرر کا مالک حقیقی اور محاسن اور محامد کا منبع حقیقی سمجھے عبادت اور بندگی ہے۔ اور جو یہ بات نہو یعنی اُسکو مالک نفع و ضرر بطور مذکور اور منبع محاسن و محامد بطرز مشارالیہ نہ سمجھے تو عبادت نہیں۔ کیونکہ پہر وہ اطاعت حقیقت میں اُسکی نہیں ہوتی جس کی اطاعت کرتا ہے۔ آخر اگر کوئی حاکم معزول ہو جاے تو پہر اُسکی

اطاعت کون کرتا ہی۔ علی ہذا القیاس اگر محاسن محامد کسی شخص میں نہ ہوں تو پھر اُسکا عاشق اور خریدار کون بنتا ہی۔ اور ظاہر ہی کہ خداوند عالم سے یہ باتیں اوروں کی طرح نہیں جدی ہو سکتیں جو یوں کہا جاوے کہ جسمیں ملکیت نفع و ضرر اصلی ہی وہی معبود ہی خدا نہیں۔ اور جس میں یہ محاسن اصلی ہیں وہی محبوب ہی خدا نہیں۔

کسی کو مالک نفع و ضرر و منبع محاسن سمجھنا عبادت ہے۔

مگر چونکہ طاعت مطیع کی ذلت اور مطاع کی عزت کو متضمن ہے تو وہ اعزاز جس میں کسی کو بذات خود مستحق سمجھ لیا جاوے یعنی اُس کو مالک نفع و ضرر اور منبع محاسن سمجھا جاوے اگرچہ از قسم اطاعت یعنی امتثال امر و نہی نہو وہ بھی منجملہ عبادت ہوگا۔

جو اعمال مظہر عبادت ہوں وہ بھی عبادت سمجھے جائینگے۔ نیت عبادت ہو یا نہ ہو۔

علی ہذا القیاس اس اعتقاد کے ساتھ خدا تعالیٰ ہمارے نفع و ضرر کا مالک و مختار ہی اور تمام محاسن کی اصل اور منبع ہی اور جو اسکے اعمال کو ایسی نسبت ہو جیسے ہماری روح کے ساتھ ہمارے بدن کو اور اُسکے قوائے مختلفہ کو جیسے قوت باصرہ اور قوت سامعہ مثلاً بدن کے اعضاء مختلفہ یعنی آنکھ کان کے ساتھ مثلاً تو وہ افعال بھی منجملہ عبادات شمار کیے جائینگے ہاں اتنا فرق ہوگا جتنا روح اور بدن اور قوت باصرہ اور آنکھ میں فرق ہی۔ یعنی جیسے روح ہماری اصلی حقیقت ہی اور عالم اجسام میں بدن اُسکا قائم مقام قوت باصرہ الابصار میں اصل ہی اور آنکھ عالم اجسام میں اُسکا خلیفہ۔ ایسے ہی اصل عبادت وہ اعتقاد دلی ہوگا اور وہ اعمال عالم اعمال میں اُسکے خلیفہ۔ سو جیسے قوت باصرہ کا خلیفہ آنکھ ہی ہوتی ہی کان نہیں ہوتا

اور آنکھ قوت باصرہ ہی کا خلیفہ ہوتی ہی قوت سامعہ کا خلیفہ نہیں ہوتی۔ ایسے ہی اعتقاد
مذکور کا خلیفہ وہی اعمال ہونگے جنکو وہ نسبت حاصل ہو اور اعمال نہونگے۔ اور وہ اعمال بھی
اُسی اعتقاد کا خلیفہ سمجھے جائینگے اور اعتقاد کا خلیفہ نہونگے۔ سو جیسے بدن انسانی کو
دیکھکر سارے معاملات جسمانی انسان ہی کے مناسب کیے جاتے ہیں گو اُسکے پردہ میں
روح خنزیر ہی کیوں نہو۔ اور جسم خنزیر ہو تو سارے معاملات جسمانی خنزیر ہی کے مناسب
کیے جائینگے گو اُسکے پردہ میں روح انسان ہی کیوں نہو ایسے ہی سجدہ وغیرہ اعمال کو جن کو
اعتقاد مذکور کے ساتھ نسبت مذکور حاصل ہو عبادت ہی کہینگے اگرچہ اُس شخص کی نسبت جسکو
سجدہ کرتا ہی یہ اعتقاد مذکور حاصل نہو۔

ایمان کے لیے عبادات کا لزوم

اس مثال کی تمہید کے بعد یہ گذارش ہی کہ جو شخص خدا کو مالک
نفع و ضرر سمجھے گا۔ اور اپنے حدوث و بقا یعنی پیدایش اور دوام میں ایسی طرح اُس کی
احتیاج ہوگی جیسے دھوپ کو اپنے حدوث و بقا میں آفتاب کی ہر دم حاجت ہی۔ تو بالضرور
اُسکو ہر دم خدا کی طرف روے نیاز ہوگی۔ اور اپنی قدرت کو اُسکی قدرت سے مستعار
سمجھکر اُسی کے کاموں کے لیے روکے رکھیگا۔ سوا اسکے اس خیال کو یہ بھی لازم ہی کہ جیسے
نور مستعار قطعات زمین آفتاب کے نور کا ایک ٹکڑا ہے اُسکا پورا نور اس میں نہیں آیا اور
اسوجہ سے اُس کی بڑائی اور اس کی چھوٹائی لازم ہی۔ ایسے ہی اپنی ہستی کو ایک
حصہ حقیر سمجھے اور خدا کے وجود کو عظیم الشان خیال کرے۔ ادہر جیسے بوجہ علیت آفتاب
اُسکا علو مراتب اور زمین کے نور کے مرتبہ میں کمی لازم ہی ایسے ہی خدا کے علو مراتب اور

اپنی پستی مرتبہ کا اعتقاد اور اقرار ضروری ہے۔

استقبال قبلہ | مگر روے نیاز قلبی کا اُدھر ہونا دل کی بات ہے۔ احوال جسمانی میں اُس کا قائم مقام اگر ہو سکتا ہے تو اُس جہت کا استقبال ہو سکتا ہے جو بمنزلہ آئینہ جو بعض اوقات تجلی گاہ آفتاب بنجاتا ہے عالم اجسام میں خدا کی تجلی گاہ ہو۔

نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا | اور اُسکے کام کے لیے اپنی قدرت کے رو کے رکھنے کے مقابلہ میں اگر ہے تو اپنے ہاتھوں کا باندھ کر کھڑا ہو جانا ہے جو اس بات کی طرف مشیر ہے کہ خدمت کے لیے استادہ ہے۔

رکوع | اور اُس کی عظمت کے لحاظ کے بعد جو اپنے نفس کی تحقیر کی کیفیت اپنے دل پر طاری ہونی چاہیے۔ عالم اجسام میں اُسکے قائم مقام اور اُسکے مقابلہ میں اگر ہے تو جھک جانا ہے جسکو اصطلاح اہل اسلام میں **رکوع** کہتے ہیں۔

سجدہ | اور اُسکے علو مراتب کے اعتقاد کے بعد جو اپنی پستی کے خیال کی کیفیت دل میں پیدا ہوتی ہے اُسکے مقابلہ میں اور اُسکے قائم مقام اس بدن کے احوال و افعال میں اگر ہے تو یہ ہے کہ اپنا سر اور مُنہ جو محل عزت سمجھے جاتے ہیں زمین پر رکھے اور ناک اُسکے خاک آستانہ پر رگڑے اُسکو اہل اسلام سجدہ کہتے ہیں۔

نماز کے افعال خدا کے سوا، کسی اور کیلیے بجالانا شرک ہے۔ | گر جب ان افعال مذکورہ کو اُن امور قلبیہ کے ساتھ وہ نسبت ہوئی جو بدن کو روح کے ساتھ۔ تو جیسے بدن انسانی کو

بوجہ نسبت مذکورہ انسان کہتے ہیں ایسے ہی افعال مذکورہ کو بوجہ نسبت مذکورہ عبادت کہنا لازم ہوگا۔ اور سوا خدا کے اور کسی کے لیے ان افعال کا بجا لانا روا نہوگا۔ منجملہ شرک سمجھا جائیگا۔

زکوٰۃ

اب اور سینئے جب بوجہ اعتقاد و احوال مشار الیہا و احوال مذکورہ بندہ نے یہ ثابت کردکھایا کہ میں سراپا اطاعت ہوں تو منجملہ ملازمان بارگاہ احکم الحاکمین سمجھا جائیگا۔ اور بایں وجہ کہ اموال دنیوی مملوک خداوند مالک الملک ہیں چنانچہ اسکا ثبوت معروض ہوچکا ہے اور پھر وہ اموال کسیقدر نہ کسیقدر بندہ کے قبض و تصرف میں رہتے ہیں۔ اسیلیے بندہ ان اموال کی نسبت خازن و امین سمجھا جائیگا اور اُسکے صرف میں تابع فرمان خداوندی رہا کریگا۔ اور جو کچھ خرچ کریگا خدا کا مال سمجھکر حسب اجازت خداوندی صرف کیا کریگا۔ خود کھائیگا اور اپنے صرف میں لائیگا تو خدا کی اجازت سے کھائیگا اور صرف میں لائیگا اور کسی دوسرے کو دے دلائیگا تو حسب اجازت خداوندی دے دلائیگا مگر خداوند کریم کے لطف و رحمت سے یہ بعید ہے کہ خود قابض و امین حاجتمند ہو اور پھر اور ونکو دلوائے۔ علی ہذا القیاس یہ بھی مستبعد ہے کہ ایک شخص کی حفاظت و حراست میں خزانہ کثیر موجود ہو اور پھر محتاج جو نکو ترسائے اور نہ دلوائے۔ اسیلیے یہ بات قرین حکمت ہے کہ تھوڑے اموال میں سے توکسی اور کو نہ دلوائیں اور زیادہ ہو تو اوروں کے لیے حصہ تجویز کردیں۔ اس صورت میں اُس بندہ کا حصہ مذکور کو دینا اور حسب ارشاد خداوندی صرف کرنا بطور نیابت ہوگا یعنی جیسے خادم اگر حسب اجازت اپنے آقا کے

مال میں سے کسیکو کچھ دیتا ہے تو وہ آقا کا دیا سمجھا جاتا ہی اور خادم محض نائب واد و دہش ہوتا ہی اس قسم کی عبادت کو اہل اسلام زکوۃ کہتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں جسمیں سے ایک تو بجمیع الوجوہ عبادت ہی اور دوسری بات بوجہ مذکور تو نیابت اور بوجہ فرمانبرواری عبادت ہے خدا کے مالک الملک اور احکم الحاکمین ہونیکا ثمرہ ہے جسکے اثبات سے بحمداللہ فراغت ہو چکی۔

تمہید صوم و حج | اب رہی خدا کی محبوبیت اور اُس کی خوبیاں جسکو جمال سے تعبیر کیجئے تو بجا ہے اسکے متعلق بھی دو ہی باتیں ہونی چاہئیں۔ ایک تو خدا کے سوا اور چیزوں سے بیغرضی۔ کیونکہ جب غلبہ محبت محبوبان مجازی میں کسی چیز کی پرواہ نہیں رہتی تو محبوب حقیقی کی محبت میں یہ بات کیوں نہوگی۔ دوسرے اس بے غرضی کے بعد اپنے محبوب یعنی خدا کے شوق میں محو ہو جانا۔ اور پھر بمقتضاے وقت کبھی وجد ہے کبھی کسی صحرا میں تصور یار میں عرض معروض ہی کبھی ناصح سے بیزاری کبھی اخلاص سے جان و مال قربان کرنیکی تیاری۔ علی ہذاالقیاس جو جو کیفیتیں ہوا کرتی ہیں۔

صوم | سو پہلی بات کے مقابلہ میں اور اُسکے قائم مقام تو روزے ہیں جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہی کہ غلبہ محبت الٰہی میں نہ کہانے سے مطلب رہا نہ پینے کی حاجت نہ مرد کو عورت سے غرض نہ عورت کو مرد کا خیال۔ اور جب انہیں باتوں سے دست برداری ہی تو اور کیا رہ گیا۔ سوا انکے جو کچھ ہے یا انکے حاصل کرنیکے سامان ہیں جیسے کہیتی۔ نوکری۔ تجارت۔ مزدوری۔ یا انکا نتیجہ ہے۔ جیسا دوائی امراض جو کہانے

پینے وغیرہ سے حادث ہوتے ہیں۔

حج یعنی احرام۔ طواف۔ وقوف عرفہ۔ رمی جمار و قربانی

اور دوسری بات کے مقابلہ میں اول تو بتقاضائے شوق اُس طرف کی راہ لیتے ہیں جہاں تجلی ربانی ہو۔ اور پھر وہ بھی اس کیفیت سے کہ نہ سر کی خبر نہ پاؤں کا ہوش نہ ناخنوں کی پرواہ نہ بالوں کی غور پرداخت۔ سر برہنہ، پا برہنہ، ناخن بڑھے ہوئے، بال بڑھے ہوئے، پریشاں صورت، نعرہ زناں چلا جاتا ہے۔ اُسکو اہل اسلام **احرام** کہتے ہیں۔ اور وہاں جاکر کبھی وجد میں گھومتا ہے اور کبھی ادہر سے اُدہر نکل جاتا ہے اور اُدہر سے ادہر نکل آتا ہے اسکو **طواف** کہتے ہیں۔ اُسکے بعد صحرائے **عرفات** میں تضرع و زاری ہے اور پھر ناصح نادان یعنی شیطان کے خاص مکانپر سنگ باری ہے۔ اور چونکہ عاشق کے حق میں نصیحت ایسی ہی جیسے جلتے توے پر پانی ڈال دیجیے۔ تو اسیلیے بعد سنگباراں بتقاضائے اخلاص جان و مال کے فدا کرنے کی تیاری یعنی قربانی ہے اور جانفشانی ہے۔ اس قسم کی عبادت کو حج کہتے ہیں۔

حکمت توالی رمضان و اشہر الحج

مگر غیر محبوب سے بے غرضی جسکے مقابلہ میں رمضان کے روزے ہیں اور شوق و محبت و وجد و تضرع و اخلاص میں باہم ارتباط تہا۔ اسلیے بعد رمضان ہی احرام کے شروع کرنے کے دن ہیں۔ یعنی شوال و ذی قعدہ عشرہ ذی الحجہ کو اس کام کے لیے رکہا۔

نماز و زکوٰۃ و صوم و حج کا ارتباط

الغرض ادہر تو نماز و زکوٰۃ میں باہم ارتباط ہی اور اُدہر روزہ و

اور حج میں باہم ارتباط ہے۔ اتنا فرق ہی کہ وہاں اصل عبادت جو بجمیع الوجوہ عبادت ہی
یعنی نماز مقدم ہی اور زکوۃ جو بوجہ فرمانبرداری عبادت ہی اُسکے تابع اور اُسکے بعد۔ اور یہاں
رمضان کے روزے جو حقیقت میں عبادت نہیں ورنہ خدا کو سبوح ہو کر عابد ہونا پڑیگا
کیونکہ وہ بھی نہ کھاے نہ پیے نہ عورت کے پاس جاے بلکہ بوجہ فرمانبرداری عبادت ہے
مقدم ہیں۔ اور حج جو اصل میں عبادت ہی اور بجمیع الوجوہ اُسکا عبادت ہونا ظاہر ہے چنانچہ
ظاہر ہے اُس سے موخر۔ وجہ اس کی خود ظاہر ہے وہاں تو نماز کے بعد منصب نیابت
وخدمت گزاری میسر آتا ہی۔ اور یہاں عشق کی اول منزل یہی ہی کہ غیر خدا پر خاک ڈالیے

حسن اخلاق آثار حب فی اللہ سے ہیں اور جہاد و مناظرہ آثار بغض فی اللہ سے

اسکے بعد اور سینے جب بندہ مملوک اور محکوم خدا ٹھہرا اور
خدا کا محب و مخلص بنا تو بالضرور دو باتیں اُسکو بتقاضاے
غلامی و محبت کرنی پڑینگی ایک تو جو خدا کے دوست ہوں جان و مال سے اُن کی مدد
کرے اور جو خدا کے دشمن ہوں اُنکی جان و مال کی تاک میں رہے۔ اور اُنکی تذلیل
سے نہ چوکے۔ پہلے کو حب فی اللہ اور دوسرے کو بغض فی اللہ کہتے ہیں، سخاوت،
مروت، ایثار حسنِ اخلاق، وحیا و صلہ رحمی، عیب پوشی، نصیحت، خیر خواہی وغیرہ
اہل اسلام کے ساتھ اول سے متعلق ہیں۔ اور جہاد اور جزیہ کا لینا اور غنیمت کا لینا
اور مناظرہ وغیرہ دوسرے سے متعلق ہیں۔

شرک فی العبادۃ کی تفسیر

اور سینے ان سب باتوں کو اگر غیرِ خدا کی خوشنودی کے لیے
کرے اور نیت عبادت ہو تو یہ سب کی سب باتیں شرک ہو جائینگی۔ ورنہ نماز کے

ارکان اور حج کے ارکان تو شرک ہوئے۔ اور چیزوں کے ادا کرنے میں بغیر نیت عبادت مشرک نہ بنے گا۔ وجہ اس تفریق کی یہی ہے کہ اصل عبادت یہ دو ہی باتیں ہیں۔ اور ان کی ہر ہر بات خدا کی عظمت اور اُسکے مطاع ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

رُکن ثانی

ضرورت رسالت

ان تقریرات لطیفہ کے بعد پھر یہ گذارش ہے کہ خداوند عالم جب حاکم اور مطاع ومحبوب ٹھہرا تو اس کی رضا جوئی ہماری ذمہ فرض ہوئی۔ اور اُس کی رضا کے موافق کام کرنا ہمارے ذمہ لازم ہوا۔ مگر یہ بات بے اطلاع رضا وغیر رضا متصور نہیں۔ مگر رضا کی اطلاع کا یہ حال ہے کہ ہماری تمہاری رضا غیر رضا بھی بدوں ہمارے بتلائے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ خداوند عالم کی رضا غیر رضا بے اُسکے بتلائے کسی کو کیونکر معلوم ہو سکے۔ یہاں تو یہ حال کہ ہم جسمانی ہیں اور جسم سے زیادہ کوئی چیز ظاہر نہیں۔ پھر اس پر یہ حال ہے کہ سینہ سے سینہ ملاویں اور دل کو چیر کر دکھلاویں تو بھی دل کی بات وبیگر معلوم نہیں ہو سکتی۔ خدائی عالم تو سب سے زیادہ لطیف ہے اسی وجہ سے آج تک کسیکو دکھلائی نہیں دیا۔ پھر اُسکے دل کی بات بے اُس کے بتلائے کسی کو کیونکر معلوم ہو سکے۔ اور ایک دو بات اگر بدلالت عقل سلیم کسی کے نزدیک لائق امر و نہی خداوندی معلوم بھی ہوں تو اول اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خداوند عالم قابلیت امر و نہی کا پابندی رہے کیا عجب ہے کہ بوجہ خود مختاری وبے نیازی اور کچھ حکم دیدے علاوہ بریں اس قسم کے علم اجمالی سے کیا کام چلتا ہے جب تک تفصیل اعمال مِنْ اَوّلِہٖ اِلٰی آخِرِہٖ معلوم نہو جائے تعمیل حکم نہیں ہو سکتی۔ اسلئے اُسکے ارشاد کا انتظار ہے مگر اُس کی شان عالی کو دیکھیے

تو یہ بات کب ہوسکتی ہی کہ خود خداوند عالم ہر کس وناکس کو اپنی رضا و غیر رضا کی خبر دے اور ہر کسی کو منہہ لگائے۔ بادشاہان دنیا اس تھوڑی سی نخوت پر اپنے ہی بنی نوع سے نہیں کہتے۔ دوکان دوکان اور مکان مکان پر کہتے نہیں پہرتے۔ مقربان بارگاہ ہی سے کہدیتے ہیں وہ اور ونکو سنا دیتے ہیں۔ اور بذریعہ اشتہارات ومنادی اعلان کرادیتے ہیں۔ خداوند عالم کو ایسا کیا کم سمجہہ لیا ہی کہ وہ ہر کسی سے کہتا پہرے۔ وہاں بہی یہی ہوگا کہ اپنے مقربوں سے اور اپنے خواصوں سے فرمائے اور وہ اور ونکو پہنچائیں۔

ایسے لوگونکو اہل اسلام انبیاء اور پیغمبر اور رسول کہتے ہیں۔

عصمت انبیاء

لیکن دنیا کے تقرب اور خواصی کے لیے سراپا اطاعت ہونا ضرور ہی اپنے مخالفونکو اپنی بارگاہ میں کون گھسنے دیتا ہی اور مسندِ قرب پر کون قدم رکہنے دیتا ہے اسلیے یہ ضرور ہی کہ وہ مقرب جنپر اسرار ومافی الضمیر آشکارا کیے جائیں یعنی اصول احکام سے اطلاع دیجائے ظاہر و باطن میں مطیع ہوں۔ مگر جسکو خداوند علیم وخبیر باعتبار ظاہر و باطن مطیع وفرمانبردار سمجہے گا اُس میں غلطی ممکن نہیں۔ البتہ بادشاہان دنیا موافق ومخالف ومطیع وعاصی ومخلص ومکّار کے سمجہنے میں لبسا اوقات غلطی کھا جاتے ہیں۔ اسلیے یہاں یہ ہوسکتا ہی کہ جس کو مطیع ومخلص سمجہا تہا وہ ایسا نہ نکلے یا بادشاہ کو بوجہ غلطی اُس کی طرف گمان مخالفت ومکّاری پیدا ہو جاے اور اسیلیے دربار سے نکالا جاے۔ مگر خدا تعالی کی درگاہ کے مقرب بوجہ عدم امکان غلط فہمی ہمیشہ مطیع ومقرب ہی رہینگے

انبیا اپنے منصب سے معزول نہیں ہوتے۔ دوزخ جنت کے مالک نہیں گنہگاروں کی شفاعت کرینگے۔

نظر بریں یہ لازم ہی کہ انبیاء معصوم بھی ہوں۔ اور مرتبہ تقرب نبوت سے برطرف نہ کیے جائیں گو خدمت نبوت کی تخفیف ہو جائے لیکن جیسے مقربان بادشاہی اور خواص سلطانی مطیع و مقرب ہوتے ہیں شریک خدائی نہیں ہوتے۔ اسیلئے انکو یہ تو اختیار ہو سکا کہ کسیکو بطور خود جنت یا جہنم میں داخل کردیں۔ البتہ بوجہ تقرب یہ ممکن ہی کہ وہ بکمال ادب کسی کی سفارش کریں یا کسی کی شکایت کریں۔ احباب کی سفارش کو جو انبیاء علیہم السلام درباره ترقی مدارج یا مغفرت معاصی خدا کی درگاہ میں کرینگے اہل اسلام شفاعت کہتے ہیں۔

ابطال کفارہ مزعومہ نصاریٰ

القصہ انبیاء کی معصومیت اور انکی شفاعت تو قرین عقل ہے پر انکی گنہگاری اور درباره عطاے جنت یا ادخال انکی خود مختاری ہرگز قرین عقل نہیں اور نہ یہ بات عقل میں آسکتی ہی کہ کسی کی عوض کوئی جنت میں چلا جاے۔ اور کسی کے عوض کوئی دوزخ میں رہ جاے۔ وجہ اسکی یہ ہی کہ محبت اور عداوت کے لیے کوئی وجہ ضرور ہے۔ علی ہذا القیاس انعام اور سزا کے لیے سبب کی حاجت ہے۔ جہاں جہاں وہ اسباب موجود ہونگے وہاں وہاں محبت اور عداوت ہو گی وہاں وہاں عنایت اور التفات اور کشیدگی اور انقباض بھی ضرور ہو گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ حسن جمال اور حسن خصال اور قرابت اور کمال اور احسان اور اعطاء مال تو کوئی کرے اور محبت ان سے ہو جاے جن کی صورت اچھی نہ سیرت بھلی، قرابت ہے نہ کمال

ہی، احسان ہو نہ عطار مال ہو، اجنبی در اجنبی، احسان کے بدلے نقصان، راحت

کے عوض ایذا، بھلائی کے عوض برائی کرتے رہتے ہیں باوجود اتنی ناالضافیوں کے

یہ بات تو بنی آدم میں بھی نہیں۔ خداوند داد گر میں یہ بات کیونکر ہوسکتی ہو۔ اسیلیے یہ ممکن

نہیں کہ اطاعت کوئی کرے اور ثواب کا مستحق کوئی ہو جاے۔ گناہ کوئی کرے اور سزا

کسیکو دیجاے۔ تابعداری تو انبیا کریں اور مرحوم امتی ہوجائیں اور گناہ و تقصیر تو

امتی کریں اور ملعون انبیاء علیہم السلام ہوجائیں۔ نعوذ باللہ منہا۔ حضرت عیسی علیہ السلام یا

اور انبیاء بدستور ویسے ہی بارگاہ قرب میں اپنی شان و عظمت کیساتھ موجود ہیں۔ نہ

کبھی وہ عذاب میں گرفتار ہوے نہ ہوں انشاء اللہ۔

اے حضرات نصاری یہ سخت گستاخی ہو جو تم صاحب حضرت عیسیٰ کی نسبت تجویز

کرتے ہو۔

مدار نبوت تین کمالوں پر ہی

اس تقریر کے ملاحظہ کرنیوالونکو یہ بات معلوم ہو گئی ہوگی کہ نبوت

کے لیے اول یہ ضرور ہے کہ ظاہر و باطن میں موافق مرضی خداوندی ہوں اور ظاہر و باطن

سے اطاعت خدا کے لیے تیار ہوں۔ اسیلیے کہ جو اپنے موافق مرضی ہوتا ہی وہی مقرب

ربانی ہوسکتا ہی۔ اور جو شخص ظاہر و باطن دونوں طرح مطیع و فرمانبردار ہو وہی شخص حاکم

ماتحت خدا ہوسکتا ہی۔ اور ظاہر ہے کہ بے تقرب بادشاہ سے کلام و گفتگو کوئی نہیں کرسکتا

اور بے تقرب چوبدار بادشاہی کسی کے پاس سلام و پیام بادشاہی نہیں لاسکتا ہے

اسی طرح بے تقرب شرف ہمکلامی خداوندی میسر نہیں آسکتی۔ اور بے تقرب ربانی

ملائکہ سلام وپیام خداوندی نہیں لاسکتے مگر بناے تقرب جب موافق مرضی پر ہوئی تو بالضرور نبی میں تین باتیں ضرور ہونگی۔

محبت خداوندی

اول تو یہ کہ اخلاص ومحبت خداوندی اسقدر ہو کہ ارادہ معصیت کی گنجایش ہی نہو۔

اخلاق حمیدہ

دوسرے یہ کہ اخلاق حمیدہ وپسندیدہ ہوں۔ کیونکہ ہر شخص اور ہر کام کرنیوالا اپنے اخلاق کے موافق اور مناسب کام کیا کرتا ہے۔ سخی دیا کرتے ہیں بخیل جمع کیا کرتے ہیں خوش اخلاق اخلاق سے پیش آتے ہیں، اور راحت پہنچاتے ہیں، اور بداخلاق بدی سے پیش آتے ہیں اور ایذا دیا کرتے ہیں۔ اسیلیے ہر کار ایک خصلت سے مربوط ہوگا۔ اگر اچھی خصلت سے مربوط ہی تو اچھا ہوگا بری سے مربوط ہے تو برا ہوگا۔ اور اخلاق کا اچھا برا ہونا اسپر منحصر ہے کہ خدا کے اخلاق کے موافق یا مخالف ہو جو خلق موافق ہوگا وہ اچھا سمجھا جائیگا جو مخالف ہوگا وہ برا ہوگا۔ اسیلیے جو باتیں موافق اخلاق خداوندی ہوں انکا برا کہنا بجز ناقص فہموں کے اور کسی کا کام نہیں۔ مثلاً خداوند عالم بالاتفاق سب کے نزدیک اچھوں سے خوش ہوتا ہے اور بروں سے ناخوش انکو انعام دیتا ہے انکو سزا پہنچاتا ہے۔ پھر جو شخص ہو بہو ایسا ہو اسکو اوروں سے کامل اور جان ودل سے محبوب رکھنا چاہیئے نہ یہ کہ بجاے محبت عداوت اور اور بجاے تعریف اس میں عیب نکالنے لگیں۔ اسوقت یہ حضرات نصاری کا اعتراض جہاد جو حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم پر کرتے ہیں سراسر نا انصافی ہوگی۔ یہ وو

باتیں یعنی اعمال اور خلاق تو ایک قسم کی باتیں ہیں یعنی کرنے کی باتیں ہیں اور معاملات سے متعلق ہیں۔

کمال عقل و فہم

تیسری بات جو از قسم دوم ہے وہ خوبی عقل و فہم ہے۔ کیونکہ اول تو بدفہمی خود ایک ایسا عیب ہے کہ کیا کہئے۔ دوسرے تقرب مقربین خود اسی غرض سے ہوتا ہے کہ بات کہئے تو سمجھ جائیں اور سمجھکر خود بھی تعمیل کریں اور اوروں سے بھی کرائیں۔

عقل و فہم امت انبیاء کے عقل و فہم کا پرتوہ ہے۔

اسیلیے انبیاء علیہم السلام خدا اور امت کے بیچ میں ایسے ہونگے جیسے آفتاب کے اور زمین کے بیچ میں قمر یعنی جیسے نور قمر آفتاب سے ماخوذ ہوتا ہے اور زمین تک پہنچتا ہے اور درحقیقت مادۂ نورانی زمین وہ نور قمر ہی ہوتا ہے۔ ایسے ہی مادۂ علم و فہم امت انبیاء ہی سے ماخوذ ہوتا ہے۔ مگر مادۂ علم و فہم وہی عقل ہے۔ اس صورت میں عقل و فہم امت بالضرور مثل چاندنی جو پرتوۂ نور قمر ہوتی ہے پرتوۂ عقل و فہم انبیاء علیہم السلام ہوگا۔

حیات امت انبیاء کی حیات کا پرتوہ ہے

اور اسوجہ سے یہ لازم ہے کہ مادۂ حیات امت بھی انبیاء کی حیات سے ماخوذ ہو کیونکہ عقل حیوۃ سے جدی نہیں ہوسکتی یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ حیوۃ نہو اور عقل ہو۔

تمام اخلاق امت اخلاق انبیا سے ماخوذ ہیں۔

اور جب حیوۃ امت حیات انبیاء سے ماخوذ ہوئی تو بالضرور تمام اخلاق امت اخلاق انبیاء سے ماخوذ ہونگی۔ بشرطیکہ امت گمراہ نہو۔ کیونکہ امت گمراہ حقیقت میں امت ہی نہیں ہوتی۔

مثال امت

بالجملہ امت اور نبی میں یہ فرق ضرور ہی۔ اسلیے امت کی فہم اور اُنکے اخلاق اور اعمال اگر اچھے بھی ہوے تو ایسے ہونگے جیسے زمین کا چاندنا اپنی ذات سے اچھی چیز ہے مگر مثل نور قمر دوسروں تک پہنچ نہیں سکتا۔ اور اگر پہنچا بھی تو ایسا پہنچتا ہی جیسے چاندنی رات میں زمین کی چاندنی کے باعث دالان کے اندر اُجالا ہو جاتا ہی۔

تفاضل افراد امت

الغرض بنائے تقرب ان تین باتوں پر ہے بشرطیکہ اوروں کا مادہ فہم و اخلاق اُنکے فہم و اخلاق سے ایسی نسبت رکھتا ہو جیسا معروض ہوا۔ اسکے بعد تفاوت اخلاق امت ایسا ہوگا جیسا اشیاے مختلف الالوان کا ایک نور سے مختلف طور سے اچھا بُرا معلوم ہونا۔

معجزہ ثمرہ نبوت ہی نہ مدار نبوت

الغرض اصل نبوّت نوان دو باتوں کو مقتضی ہی کہ فہم سلیم و اخلاق حمیدہ اسقدر ہوں۔ رہے معجزات وہ بعد عطاے نبوّت عطا کرتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ جسنے اظہار معجزات کے امتحان میں نمبر اول پایا اُسکو نبوّت عطا کی ورنہ ناکام رہا۔ چنانچہ ظاہر ہے۔ اسیلئے اہل عقل کو لازم ہی کہ اول فہم و اخلاق و اعمال کو میزان عقل میں تولیں اور پھر بولیں کہ کون نبی ہی اور کون نہیں۔

ایمان بجمیع انبیاء بلاتفریق

اہل اسلام تو سبھی انبیاء علیہم السلام کی درم ناخریدہ غلام ہیں خاص کر اون میں اون اولوالعزموں کی جنکی تاثیر اور اولوالعزمی اور علو ہمت سے دین خداوندی نے بہت شیوع پایا۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ کیونکہ انبیاء کا اعتقاد اور محبت اہل اسلام کے

نزدیک جزو ایمان ہی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل الانبیاء ہیں۔

مگر اسنے اور باقی تمام انبیاء سے بڑھ کر حضرت خاتم النبین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کو سمجھتے ہیں اور انکو سب میں افضل اور سب کا سردار جانتے ہیں۔ اہل انصاف کے لیئے تو بشرط فہم سلیم موازنہ احوال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور احوال دیگر انبیاء کافی ہی۔ ملک عرب کی جہالت اور درشت مزاجی اور گردن کشی کون نہیں جانتا۔ جس قوم میں ایسی جہالت ہو کہ نہ کوئی کتاب آسمانی ہو نہ غیر آسمانی، اور اخلاق کا یہ حال کہ قتل کر دینا ایک بات ہو، فہم کی یہ کیفیت کہ پتھروں کو اٹھالاے اور پوجنے لگے، اور گردن کشی کی یہ صورت کہ کسی بادشاہ کے کبھی مطیع ہوئے جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے خشک ملک میں شاد وخرم عمر گذاریں۔ ایسے جاہلوں گردن کشوں کو راہ پر لانا ہی دشوار تھا۔ چہ جائیکہ علوم الٰہیات و اخلاق وسیاست مدن میں اور علم معاملات وعبادات میں رشک افلاطون وارسطو و دیگر حکماے نامدار بنا دیا۔ اعتبار نہو تو اہل اسلام کی کتب اور انکی کتب کو موازنہ کر کے دیکھیں۔ مطالعہ کنان کتب فریقین کو معلوم ہو گا کہ ان علوم میں اہل اسلام تمام عالم کے علماء پر سبقت لیگئے نہ یہ تدقیقات کہیں ہیں نہ یہ تحقیقات کہیں ہیں۔ جنکے شاگردوں کے علوم کا یہ حال ہی خود موجد علوم کا کیا حال ہو گا۔ اگر یہ بھی معجزہ نہیں تو اور کیا ہی۔

معجزات علمیہ کا معجزات عملیہ سے افضل ہونا۔

صاحبو انصاف کرو تو معلوم ہو کہ یہ معجزہ اور انبیاء کے معجزات سے کسقدر بڑھا ہوا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ علم کو عمل پر شرف ہی

یہی وجہ ہی کہ ہرفن میں اُس فن کے اُستادوں کی تعظیم کی جاتی ہی۔ ہر ہر سررشتہ میں افسروں کو باوجودیکہ اُنکے کام میں بمقابلہ خدمات اتباع بہت کم محنت ہوتی ہی تنخواہ زیادہ دیتے ہیں یہ شرف علم نہیں تو اور کیا ہے۔ خود انبیاء ہی کو دیکھو۔ اُمتی آدمی بسا اوقات مجاہدہ وریاضت میں اُنسے بڑہے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مگر مرتبہ میں انبیا کی برابر نہیں ہو سکتے۔ وجہ اس کی بجز شرف علم وتعلیم اور کیا ہے۔ الغرض بوجہ علم وتعلیم ہی انبیاء اُمتیوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ بوجہ عبادت وریاضت ممتاز نہیں ہوتے۔ مگر جب یہ ہی تو پہر علم عمل سے بالضرور افضل ہوگا۔ اسیلئے **معجزات علمیہ معجزات عملیہ سے کہیں زیادہ ہونگے۔**

معجزات علمیہ و عملیہ کی تفسیر

مگر معجزات عملی اُسکو کہتے ہیں کہ کوئی شخص نبوت کرکے ایسا کام کر دکہائے کہ اور سب اُس کام کے کرنے سے عاجز آجائیں۔ اس صورت میں معجزات علمی اسکا نام ہوگا کہ کوئی شخص دعوئے نبوت کرکے ایسے علوم ظاہر کرے کہ اور اقران و امثال اُسکے مقابلہ میں عاجز آجائیں۔

تفاضل علوم باعتبار تفاضل معلومات

مگر علوم میں بہی فرق ہی یعنی۔ جیسے گلاب ہو یا پیشاب ہو دیکہنے میں دونوں برابر ہیں۔ مگر جسکو دیکہتے ہیں اُس میں اتنا تفاوت ہی کہ اُس سے زیادہ اور کیا ہوگا۔ ایک پاک اور خوشبودار دوسرا ناپاک اور بدبودار ایسے ہی علم ذات وصفات خداوندی اور علم اسرار احکام خداوندی اور علم معلومات باقیہ میں یہی فرق ہی۔ بلکہ غور سے دیکہیے تو اُس سے زیادہ فرق ہی اسیلئے کہ گلاب و پیشاب میں اتنا تو اتحاد ہی کہ یہ بہی مخلوق وہ بہی مخلوق خالق اور مخلوق میں تو اتنا بہی اتحاد اور مناسبت نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں اور انبیاء سے بڑہ کر ہیں۔

اور ہر دیکھیے علم وقائع میں بھی باہم فرق ہے دنیا کے وقائع کی اگر کوئی شخص خبر دے تو پہر دوسرے ہی کی خبر دیتا ہے۔ پر جو شخص وقائع آخرت کی خبر دیتا ہے وہ دور تک کی خبر دیتا ہے۔ اور چونکہ خبر مستقبل کا اعجاز بہ نسبت ماضی کے زیادہ ظاہر ہے کیونکہ بیان تو کسی قسم کی اطلاع کا بھی احتمال ہے پر مستقبل میں یہ احتمال بھی نہیں ہوتا اسلیے جو شخص کثرت سے امور مستقبلہ کی خبر دے اور امور مستقبلہ بھی بہت دور دور کے بیان کرے تو اُسکا اعجاز علم وقائع بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہوگا۔ اب دیکھیے کس کی پیشین گوئیاں زیادہ ہیں اور پہر وہ بھی کہاں کہاں تک اور کس کس قدر دور دراز زمانہ کی باتیں ہیں۔ رہا یہ احتمال کہ آخرت تک پیشینگوئیوں کا صدق اور کذب کسکو معلوم ہے۔ اسکا یہ جواب ہے کہ کوئی پیشین گوئی کیوں نہو قبل وقوع سب کا یہی حال ہوتا ہے اگر دو چار گھڑی پیشتر کی ہے تب تو اکثر حاضرین کو معلوم ہوگا۔ ورنہ بیان کسی کے سامنے کی جاتی ہے اور ظہور کسی کے سامنے ہوتا ہے۔ توراۃ کی پیشین گوئیوں کو دیکھیے بعض بعض تو اب تک ظہور میں نہیں آئیں۔ بہر حال پیشینگوئیاں اگلے ہی زمانہ میں جاکر معجزہ ہو جاتی ہیں یعنی اُن کا معجزہ ہونا اگلے زمانہ میں معلوم ہوتا ہے۔ مگر ایک دو کا صدق بھی اوروں کی تصدیق کے لیے کافی ہوتا ہے۔ ادہر اور قرائن صادقہ اور معجزات دیگر اُس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور اسیلیے قبل ظہور موجب یقین ہو جاتے ہیں۔ ہاں زمانہ ماضی کی باتیں بشرطیکہ وجود اطلاع خارجی مفقود ہو، بیشک اُسیوقت معجزے سمجھے جائینگے۔ بالجملہ ہمارے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں بھی اسقدر ہیں کہ کسی اور نبی کی نہیں۔ کسی

صاحب کو دعویٰ ہو تو مقابلہ کر کے دیکھیں جن میں سے کثرت سے صادق بھی ہو چکی ہیں مثلاً خلافت کا ہونا حضرت عثمان اور حضرت حسین کا شہید ہونا۔ اور حضرت حسن کے ہاتھ پر دو گروہ اعظم کا صلح ہو جانا۔ ملک کسریٰ اور ملک روم کا فتح ہونا۔ بیت المقدس کا فتح ہو جانا۔ مروانیوں اور عباسیوں کا بادشاہ ہونا۔ نار حجاز کا ظاہر ہونا۔ ترکوں کے ہاتھ اہل اسلام پر صدمات کا نازل ہونا۔ جیسا چنگیز خاں کے زمانہ میں ظاہر ہوا۔ اور سوا انکے اور بہت سی باتیں ظہور میں آچکی ہیں۔ ادہر وقائع ماضیہ کا یہ حال کہ باوجود اُمّی ہونے اور کسی عالم نصرانی یا یہودی کی صحبت کے نہونے کے وقائع انبیاء سابق کے احوال کا بیان فرمانا۔ ایسا روشن ہی کہ بجز متعصب نا انصاف اور کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق سب سے اعلیٰ تھے

اب اخلاق کو دیکھیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں کے بادشاہ یا امیر نہ تھے۔ آپکا افلاس ایسا نہیں جو کوئی نہ جانتا ہو اسپر ایسے لشکر کی فراہمی جسنے اول تو تمام ملک عرب کو زیر زبر کر دیا اور پھر فارس اور روم اور عراق کو چند عرصہ میں تسخیر کر لیا۔ اور اسپر معاملات میں وہ شائستگی رہی کہ کسی لشکری نے سوا مقابلہ جہاد کسی کی ایذا رسانی کسی طرح گوارا نہ کی۔ بجز تسخیر اخلاق اور کسی وجہ پر منطبق نہیں آسکتی۔ القصہ آپکے علم و اخلاق کی دلائل قطعیہ کے آثار تو ابتک موجود ہیں اسپر بھی کوئی نہ مانے تو وہ جانے۔

باعتبار علوی علوم کثیرہ ہونیکے قرآن شریف کا اعجاز

علاوہ بریں قرآن شریف جسکو تمام معجزات علمی میں

بھی فضل واعلیٰ کہیے۔ ایسا برہان قاطع ہی کہ کسی سے کسی بات میں اُسکا مقابلہ نہو سکا۔ علوم ذات وصفات وتجلیات وبدءِ خلائق، وعلم برزخ، وعلم آخرۃ وعلم اخلاق، وعلم احوال، وعلم افعال وعلم تاریخ وغیرہ اسقدر ہیں کہ کسی کتاب میں اسقدر نہیں کسی کو دعویٰ ہو تو لاوے اور دکھاوے۔

باعتبار فصاحت وبلاغت قرآن شریف کا اعجاز

اسپر فصاحت وبلاغت کا یہ حال کہ آجتک کسی سے مقابلہ نہو سکا۔ مگر ہاں جیسے اجسام ومحسوسات کے حسن وقبح کا ادراک تو ایک نگاہ اور ایک توجہ میں ہی متصور ہی اور روح کے کمالات کا ادراک ایکبار متصور نہیں۔ ایسے ہی اُن معجزات علمی کی خوبی جو متضمن علوم عجیبہ ہوں ایکبار متصور نہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ بات کمال لطافت پر دلالت کرتی ہی نہ کہ نقصان پر۔

قرآن شریف کی فصاحت وبلاغت صاحب ذوق سلیم بداہۃً سمجھ سکتا ہی

بالجملہ اگر کسی بلید کم فہم کو وجوہ فصاحت وبلاغت قرآنی ظاہر نہوں۔ تو اس سے اُسکا نقصان لازم نہیں آتا۔ کمال ہی ثابت ہوتا ہی۔ علاوہ بریں عبارت قرآنی ہر کس وناکس رند بازاری کے نزدیک بھی اسی طرح اور عبارتوں سے ممتاز ہوتی ہی جیسے کسی خوشنویس کا خط بدنویس کے خط سے۔ پھر جیسے تناسب خط وخال معشوقان اور تناسب حروف خط خوشنویسان معلوم ہو جاتا ہی اور پھر کوئی اُس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں بتا سکتا کہ دیکھ لو یہ موجود ہی ایسے ہی تناسب عبارت قرآنی جو وہی فصاحت وبلاغت ہی ہر کسی کو معلوم ہو جاتا ہی پر اُس کی حقیقت اس سے زیادہ کوئی نہیں بتلا سکتا کہ دیکھ لو یہ موجود ہے۔

قرآن شریف کلام الٰہی ہی اور توراۃ انجیل کتاب الٰہی

الغرض معجزات علمی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

سب سے زیادہ ہیں کیونکہ کلام ربانی اور کسی کے لیے نازل نہیں ہوا - چنانچہ خود اہل کتاب اس بات کے معترف ہیں کہ الفاظ توریت و انجیل منزل من اللہ نہیں - وہاں سے فقط الہام معانی ہوا اور یہاں اکثر انبیاء یا حواریوں نے انکو اپنے الفاظ میں ادا کر دیا - اور اپنا یہ اعتقاد ہے کہ الفاظ کتب سابقہ بھی اُسی طرف سے ہیں پر وہ مرتبہ فصاحت و بلاغت جو مناسب شانِ خداوندی ہو اور کتابوں میں اسلیے نہیں کہ اُنکا مہبط خود صفت کلام خداوندی نہیں - یا یوں کہو عبارت ملائکہ ہو گو مضامین خداوندی ہیں - اور شاید یہی وجہ ہو کہ توریت و انجیل کی نسبت قران و حدیث میں کتاب اللہ کا لفظ آتا ہے - کلام اللہ کا لفظ نہیں آتا اگر ہو تو ایک جا ہو مگر وہاں دو احتمال ہیں ایک تو یہی توریت دوسرے وہ کلام جو بعض بنی اسرائیل نے بمعیتہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سنے تھے - اگر وہ کلام تھے تو اس سے توریت کا عبارت خداوندی ہونا ثابت نہیں ہو سکتا - اور خود توراۃ مراد ہے تو وہ کلام ایسے سمجھو جیسے بعض شاعر گنواروں سے اُنہیں کے محاوروں میں گفتگو کرنے لگتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ اسوقت کلام شاعر ند گورا اگرچہ بظاہر کلام شاعر ہی سمجھے جاوینگے مگر منشا اس کلام کا اسکا وہ کمال نہوگا جسکو کمال شاعرانہ اور قوت فصاحت و بلاغت کہتے ہیں - ایسے ہی تورات کو بھی بہ نسبت خدا خیال فرمایئے اور شاید یہی وجہ ہو کہ دعویٰ اعجاز توریت و انجیل نہ کیا گیا - ورنہ ظاہر ہے کہ اس معجزہ سے بڑھ کر اور کوئی معجزہ نہ تھا - چنانچہ اوپر معروض ہو چکا -

صاحب اعجاز علمی کا صاحب اعجاز عملی سے افضل ہونا -

اور با ینوجہ کہ علم تمام اُن صفات سے اعلیٰ ہے جو جو مربی عالم

ہیں۔ یعنی اُن صفات کو عالم سے تعلق ہے جیسے علم و قدرت اراوت مشیت کلام کیونکہ علم کو
معلوم اور قدرت کو مقدور اور ارادہ کو مراد اور مشیت کو مرغوب اور کلام کو مخاطب
کی ضرورت ہے۔ اسلیے وہ نبی جسکے پاس معجزہ علمی ہو تمام اُن نبیوں سے اعلیٰ درجہ
میں ہوگا جو معجزہ عملی رکھتے ہونگے۔ کیونکہ جسدرجہ کا معجزہ ہوگا وہ معجزہ اس بات پر دلالت
کریگا کہ صاحب معجزہ اسدرجہ میں یکتاے روزگار ہے اور اس فن میں بڑا سردار ہے
اسلیے ہمارے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا اقرار بشرط فہم و
انصاف ضرور ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا۔

علیٰ ہذا القیاس جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ علم سے اوپر کوئی ایسی
صفت نہیں جسکو عالم سے تعلق ہو۔ تو خواہ مخواہ اس بات کا
یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر تمام مراتب کمال ایسی طرح
ختم ہو گئے جیسے بادشاہ پر مراتب حکومت ختم ہو جاتے ہیں۔ اسلیے جیسے بادشاہ کو
خاتم الحکام کہہ سکتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الکاملین اور خاتم النبیین کہہ سکتے
ہیں۔ مگر جس شخص پر مراتب کمال ختم ہو جائینگے تو بایں وجہ کہ نبوت سب کمالات بشری
میں اعلیٰ ہے چنانچہ مسلم بھی ہے اور تقریر متعلق بحث تقرب بھی جو اوپر گذر چکی ہے اسپر شاہد ہے

تمام اہل مذاہب پر آپکا اتباع ضروری ہے

اسلیے آپکے دین کے ظہور کے بعد سب اہل کتاب کو بھی آپکا اتباع
ضروری ہوگا۔ کیونکہ حاکم اعلیٰ کا اتباع تو حکام ماتحت کے ذمہ بھی ہوتا ہے
رعایا تو کس شمار میں ہیں۔ علاوہ بریں جیسے لارڈ لٹن کے زمانہ میں لارڈ لٹن کا اتباع

ضروری ہو اسوقت احکام لارڈ نارتھ بروک کا اتباع کافی نہیں ہوسکتا - اور نہ اُسکا اتباع باعث نجات سمجھا جاتا ہو - ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بابرکات میں اور اُنکے بعد انبیاء سابق کا اتباع کافی اور موجب نجات نہیں ہوسکتا -

حضرت عیسی علیہ السلام کی پیشین گوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کے متعلق

اور یہی وجہ ہوئی کہ سوا آپ کے اور کسی نبی نے دعوے خاتمیت نہ کیا - بلکہ انجیل میں حضرت عیسی علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ جہان کا سردار آتا ہے خود اس بات پر شاہد ہو کہ حضرت عیسی خاتم نہیں - کیونکہ حسب اشارہ مثال خاتمیۃ بادشاہ خاتم وہی ہوگا جو سارے جہان کا سردار ہو - اسوجہ سے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب میں افضل سمجھتے ہیں پھر یہ آپ کا خاتم ہونا آپ کے سردار ہونے پر دلالت کرتا ہے اور بقرینہ دعوی خاتمیۃ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے یہ بات یقینی سمجھتے ہیں کہ وہ جہان کے سردار جن کی خبر حضرت عیسیٰ دیتے ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں -

تحقیق نسخ

رہا یہ شبہہ کہ یہ صورت نسخ احکام کی ہو - اور نسخ احکام چونکہ غلطی حکم اول پر دلالت کرتا ہو اور خدا کے علوم اور احکام میں غلطی متصور نہیں اسلیے یہ بات بھی غلط ہوگی کہ سوائے اتباع محمدی اور کسیطرح نجاۃ متصور نہیں -

اسکا جواب یہ ہو کہ نسخ فقط تبدیلی احکام کو کہتے ہیں غلطی کا اشارہ اُس میں سے سمجھ لینا سخت ناانصافی ہو - یہ لفظ عربی ہو - اسکے معنی ہم سے پوچھنے تھے پھر اعتراض کرنا تھا - سُنیئے خدا کے احکام کا نسخ اس قسم کا ہوتا ہو جیسے طبیب کا منضج کے نسخہ کی جگہ مسہل کا نسخہ

لکھدینا۔ چنانچہ وہ تقریر بھی جس میں خدا کے احکام کا بندوں کے حق میں نافع ہونے اور اس کی مناہی کا اُنکے حق میں مُضر ہونیکی طرف اشارہ کرچکا ہوں۔ اور اُسکے ساتھ یہی طبیب کی مثال عرض کرچکا ہوں، اس مضمون کے لیے مؤید ہی۔

نسخ میں اختلاف لفظی ہی

الغرض تبدیلی احکام خداوندی مثل تبدیلی احکام حکام دینا بوجہ غلطی فہم نہیں ہوتی بلکہ اس غرض سے ہوتی ہی کہ مثل منضج حکم اول کا زمانہ نکل گیا اور مثل مسہل حکم ثانی کا زمانہ آگیا اور اس قسم کے تبدل احکام کے اقرار سے حضرات نصاریٰ بھی منحرف نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ بعض احکام توراۃ کا بوجہ انجیل مبدل ہوجانا سب کو معلوم ہے پھر اگر اس قسم کو نصاری نسخ نہ کہیں تکمیل کہیں۔ تو فقط لفظوں ہی کا فرق ہوگا معنی وہی رہینگے۔ اور اگر نسخ ہی کہتے ہیں تو چشم ما روشن دلِ ما شاد۔

حضرت موسیٰ کے کلیم اللہ ہونیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مساوات لازم نہیں آتے

اسکے بعد یہ گذارش ہی کہ شاید نصاریٰ کو یہ خیال ہو کہ حضرت موسیٰ کا کلیم ہونا اور حضرت عیسیٰ کا کلمہ ہونا بھی مسلم ہی پھر بوجہ نزول کلام اللہ محمدیوں ہی کو کیا افتخار رہا۔ تو اُسکا اول تو یہ جواب ہی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کلیم ہونا بایں معنی ہی کہ وہ خدا کے مخاطب تھے۔ اور خدا کے کلام اُنکے کان میں آئے۔ یہ نہیں کہ اُنکی زبان تک اور اُنکے مُنہ تک بھی نوبت پہنچی ہو۔ اور ظاہر ہے کہ کلام فصیح و بلیغ کا کان میں آجانا سامع کا کمال نہیں۔ ورنہ اس حساب سے سبھی صاحب اعجاز اور صاحبِ کمال کلام ہوجائیں۔ البتہ کلام بلیغ کا مُنہ میں آنا اور زبان سے نکلنا البتہ کمال سمجھا جاتا ہی۔ بشرطیکہ اول کسی اور سے نہ سنا ہو۔ فقط خدا ہی کی قدرت و عنایت

کا واسطہ ہو۔ سو یہ بات اگر میسر آئی ہی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میسر آئی۔
یہی وجہ ہوئی کہ سوا آپکے اور کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق توراۃ کی پیشین گوئی

اس تقریر کے سننے دیکھنے والوں کو انشاءاللہ اس بات کا یقین ہو جائیگا کہ توراۃ کی وہ پیشین گوئی جس میں یہ ہے کہ اُس کے مونہہ میں اپنے کلام ڈالوں گا، بلاشبہہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شان میں نازل ہوئی ہی اور اسوقت یہ بات بھی آشکارا ہو گئی ہو گی کہ اُس پیشین گوئی میں جو اس فقرہ سے اول حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ تجھ جیسا نبی پیدا کرونگا اوسکا یہ مطلب نہیں کہ تو اور وہ متساوی المراتب ہونگے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ کلام ربانی سے تجھے بھی معاملہ پڑا اور اُسے بھی معاملہ پڑیگا۔ مگر چونکہ یہ تشبیہ اگر مطلق رہتی تو کمال مشابہت پر دلالت کرتی جسکا حاصل وہی تساوی مراتب نکلتا۔ اسیلیے آگے بطور استثناء و استدراک یہ ارشاد فرمایا کہ اُسکے مُنہہ میں اپنے کلام ڈالونگا۔ تاکہ یہ بات معلوم ہو جاے کہ وہ تم سے افضل ہونگے۔ کیونکہ اسوقت وہ نبی بمنزلہ زبانِ خدا ہونگے۔ اور ایسی صورت ہو جائیگی جیسے فرض کیجیے کسی کے سر پر بھوت چڑھ جاے اور وہ اُسوقت کچھ باتیں کرے یا تاثیرِ مسمریزم سے کسی عالم کی روح کا پرتوہ کسی جاہل کی روح پر پڑ جاے اور اسوجہ سے علوم کی باتیں کرنے لگے۔ جیسے اُسوقت متکلم کوئی اور ہی ہوتا ہے پر زبان اسی شخص کی ہوتی ہی۔ اور اسی لیے بظاہر یوں ہی کہا جاتا ہی کہ یہی شخص باتیں کرتا ہے ایسے ہی یہاں بھی خیال فرمالیجیے۔ اور ظاہر ہے کہ زبان متکلم

ہی کی جانب شمار کی جاتی ہی البتہ کان مخاطب کی جانب شمار کیے جاتے ہیں۔ سو جب متکلم خداوند کریم ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ زبان وترجمان۔ تو بیشک اس حساب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُنکے ساتھہ درجہ تساوی میسر نہیں آسکتا۔

مگر جب یہ بات واجب التسلیم ہوئی تو یہ بات آپ چسپاں ہوگئی کہ جو اُس نبی کا مخالف ہوگا اُس سے میں انتقام لونگا۔ کیونکہ اسوقت اُس نبی کی مخالفۃ کو بہ نسبت اور نبیوں کی مخالفت کے زیادہ تر یوں کہہ سکتے ہیں کہ خدا کی مخالفت ہی۔ اسیلیے خدا ہی انتقام لیگا۔ مگر جس طرح خدا کی جانب دربارہ کلام وہ شمار کیے گئے ایسے ہی دربارہ انتقام بھی انکو شمار کر لیجیے۔ اور ان جہادوں کو جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفوں کے ساتھہ کیے ہیں اُس انتقام کا ظہور سمجھہ لیجیے۔ گو اور انواع عذاب بھی اُسکا تتمہ ہو۔

حضرت عیسیٰ کے کلمۃ اللہ ہونیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مساوات لازم نہیں آتی۔

باقی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلمہ ہونا مخاطب پر فوقیت رکھیگا۔ متکلم پر فوقیت اس سے ثابت نہوگی۔ بلکہ کلمہ کا مفعول متکلم ہونا خود متکلم ہی کی افضلیت پر دلالت کریگا۔ مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متکلم کی جانب مانا تو وہی افضل ہونگے حضرت عیسیٰ افضل نہونگے۔

تمام کائنات کلمات خدا ہیں

علاوہ بریں تمام انبیاء بلکہ تمام کائنات کلمات خدا ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہی کہ کلام حقیقی کلام معنوی ہی الفاظ کو فقط بایں وجہ کلام کہدیتے ہیں کہ کلام

معنوی پر دلالت کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہر شے کے بنانے سے پہلے اُس کی نسبت کچھ نہ کچھ سمجھ لینا ضرور ہی اسلیے اول اُس شے کا وجود ذہن میں ہوگا۔ اُس کے بعد خارج میں ہوگا۔ اور اسلیے اُس شے کو کلمہ کہنا ضرور ہوگا۔ اس صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں اور اوروں میں اتنا ہی فرق ہوگا کہ اُنکی نسبت قرآن میں یہ آیا ہی کَلِمَتُهُ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ۔ جسکا حاصل یہ ہی کہ حضرت عیسیٰ کلمہ خدا ہیں خدا نے اُسکو مریم کی طرف ڈال دیا غرض خداوندی یہ تھی کہ اُن میں کچھ فوقیت نہیں جیسے اور ویسے ہی وہ۔ فقط اتنا ہے کہ بے واسطہ غیر مریم کی طرف ڈالے گئے مگر اس بیان کے باعث وہ اس خطاب کے ساتھ مشہور ہو گئے۔

اس تقریر کے بعد جب یہ لحاظ کیا جاتا ہے کہ منشاء فیوض محمدی صلی اللہ علیہ وسلم صفت العلم ہی اور وہ سب میں اول ہی یہانتک کہ کلام بھی اُسکے بعد میں ہی بلکہ کلام خود اس علم ہی کے طفیل ظہور میں آتی ہی تو پھر یہ تقریر اور بھی چسپاں ہو جاتی ہی۔ الغرض حضرت عیسیٰ علیہ السلام اگر مفعول صفت کلام اور ظہور و مظہر صفت کلام ہیں کیونکہ ہر مفعول ظہور و مظہر مصدر ہوتا ہے چنانچہ مشاہدہ حال دھوپ و زمین سے عیان ہے اسلیے کہ اول مفعول مطلق دوسرا مفعول بہ ہی۔ وہ ظہور ہی یہ مظہر ہے۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ظہور و مظہر صفت العلم سمجھیے جو کلام کی بھی اصل ہی۔

احیاء اموات اثر صفت کلام ہی

یہی وجہ ہی کہ تاثیرات صفت کلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ سے بڑھے ہوئے ہیں۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ کلام

خواص حیات میں سے ہی حالت موت میں کلام متصور نہیں۔ جس میں صفت کلام خداوندی کا زیادہ ظہور ہوگا اُس میں تاثیر احیا بھی زیادہ ہوگی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اگر اُن کا عصا سانپ بنکر زندہ ہو جاتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصدق سے پتھر اور سوکھی کھجور کی لکڑی کا ستون زندہ ہوگیا۔ اور پھر تماشا یہ ہے کہ اپنی وہی ہئیت اصلی رہی۔ اگر کسی جانور کی شکل ہو جاتا جیسے حضرت موسیٰ کے عصا کا حال ہوا تو یوں تو کہنے کی گنجایش تھی کہ آخر کچھہ نہ کچھہ زندوں سے مناسبت تو ہے۔ مگر سوکھا ستون روئے اور دردِ محبت میں چلّائے اس میں ہرگز پہلے سے کچھ لگاؤ بھی زندگانی کا نہیں۔ اگر ہوتا تو پھر بھی کچھہ مناسبت تھی۔ اسپر شوق و ذوق محبت اور درد فراق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جو اُس سوکھے ستون سے جمعہ کے روز ایک جم غفیر اور مجمع کثیر میں ظہور میں آیا اور بھی افضلیت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ درد فراق اور شوق و اشتیاق مذکور کمال ہی درجہ کے ادراک و شعور پر دلالت کرتا ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہی کہ عصاء موسوی کو اُس ستون کے ساتھ کچھہ نسبت نہیں وہاں اُس اژدہا سے سانپونکی نوع سے بڑہکر کوئی بات ثابت نہیں ہوئی۔ اور یہاں وہ وہ آثار حیات اُس ستون سے نمایاں ہوئے کہ بجز اہل کمال نوع انسانی اور کسی سے اس کی امید نہیں۔

علیٰ ہذا القیاس پتھرونکا سلام کرنا اور درختوں کا بعد استماع امر اطاعت کرنا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور پردہ کے لیے دو درختوں کا جھک کر ملجانا۔ اُس حیات اور

اُس ادراک وشعور پر دلالت کرتا ہی کہ حیوانات سے اُس کی توقع نہیں۔ اگر ہے تو افراد انسانی ہی سے ہی۔

احیاء اموات میں حضرت عیسے علیہ السلام سے مقابلہ

علی ہذا القیاس حضرت عیسیٰ کا مُردوںکو زندہ کرنا یا گارے سے جانوروں کی شکل بناکر زندہ کر دینا بہی اس قسم کے معجزات نبوی صلعم کے برابر نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مُردہ قبل موت تو زندہ تہا۔ سوکہا درخت تو کبہی زندہ تہا ہی نہیں۔ ایسے ہی وہ جانور جو حضرت عیسے علیہ السلام بناکر اُڑاتے تھے باعتبار شکل تو اُنکو کسیقدر زندوں سے مناسبت تہی۔ یہاں تو یہ بہی نہ تہا پہر فرق ادراک وشعور اور علاوہ رہا۔ اسپر بہی بوجہ تعصب کوئی شخص اپنی وہی مرغی کی ایک ٹانگ کہے جاے تو اُسکا کیا علاج مونہہ کے آگے آڑ نہیں پہاڑ نہیں جو چاہو سو کہو۔ مگر فکر آخرت بہی ضرور ہی۔

معجزات علمیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیا سے افضل ہیں۔

اسکے بعد یہ گذارش ہی کہ باعتبار معجزات علمیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور انبیاء سے بڑہا رہنا تو بحکم انصاف ظاہر و باہر ہوگیا۔ بلکہ اس ضمن میں بعض معجزات عملی کی رو سے بہی آپ کی فوقیت اور انبیاء پر واضح و آشکارا ہوگئی۔ اسلیے کہ درختوں کا چلنا اور ستون کا رونا منجملہ اعمال ہیں منجملہ علوم نہیں گو بایں اعتبار کہ اعمال اختیاریہ اور رو زاری کے لیے اول ادراک وشعور اور حیات کی ضرورت ہی۔ ان اعمال سے اول انہیں وقائع میں ظہور معجزۂ علمیہ بہی ہوگیا۔

مگر اب اہل انصاف کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ کسیقدر اور گذارش بھی سُن لیں تاکہ فوقیت محمدی باعتبار معجزات عملی بہی ظاہر ہو جاے۔

معجزہ تکثیر ماء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے اگر پتھر میں سے پانی نکلتا تھا تو یہاں دستِ مبارک میں سے نکلتا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ پتھروں سے پانی کا نکلنا اتنا عجب نہیں جتنا گوشت و پوست میں سے پانی کا نکلنا عجیب ہے۔ اسپر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ میں پتھر میں سے پانی کے نکلنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جسم مبارک موسوی کا یہ کمال تھا۔ اور یہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ دست مبارک محمدی منبع فیوض لا انتہا ہے۔ بلکہ جب یہ دیکھا جائے کہ کسی پیالہ میں تہوڑا سا پانی لیکر اُسپر آپ نے ہاتھ پہیلا دیا جس سے اسقدر پانی نکلا کہ تمام لشکر سیراب ہو گیا اور لشکر کے جانور سیراب ہو گئے تو یہ بات بحکم فہم سلیم سمجھ میں آتی ہے کہ جیسے آئینہ وقت تقابل آفتاب فقط قابل و مفعول ہوتا ہے اور نور افشانی فقط آفتاب ہی کا کام ہے اور یہ کمالِ نور اُسی کی طرف سے آیا ہے آئینہ کی طرف سے نہیں یا کائنات الجو اور حوادث مابین ارض و سما میں فاعلیت آسمان کی طرف ہے زمین فقط قابل ہے۔ دوسروں کا کمال لیکر ظاہر کرتی ہے۔ ایسے ہی اُسوقت جسوقت آپ نے دستِ مبارک اُس پانی پر رکہا اور یہ معجزہ تکثیر آب نمایاں ہوا تو یوں سمجھو کہ پانی محض قابل تھا فاعلیت اور ایجاد آپ کی طرف سے تہا یعنی فاعلیت فاعل حقیقی اور ایجاد موجد حقیقی کے سامنے آپکا دست مبارک ایک واسطہ فیض اور آلہ ایجاد تہا۔ گو اُس خدا کو بے ان وسائط کے بہی بنانا آتا ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اس طور سے پانی کا پیدا ہونا صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو کچھ ہوا وہ آپ کے دستِ مبارک کی تاثیر سے ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ میں یہ خوبی نہیں نکلتی۔ بلکہ فقط ایک قدرتِ خدا

ثابت ہوتی ہی۔

معجزۂ تکثیر طعام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عیسی علیہ السلام پر فضیلت

علی ہذا القیاس کنوئیں میں آپکے تھوک دینے سے پانی کا زیادہ ہوجانا یا کچھ پڑہنے سے کھانیکا بڑہ جانا ہی آپکے کمال جسمی پر دلالت کرتا ہے۔ اور فقط یوں ہی روٹیوں کا زیادہ ہوجانا فقط خدا کی قدرت ہی پر دلالت کرتا ہی۔ حضرت عیسی کے کمال جسمی پر دلالت نہیں کرتا۔ ہاں یہ مسلم کہ حضرت موسے علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے ان امور کا ظہور میں آنا اُنکے تقرب پر دلالت کرتا ہے۔ اور اسیوجہ سے اُنکا معجزہ سمجھا جاتا ہے مگر یہ بات تو دونوں جا یعنی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام میں برابر موجود ہے۔ اور پھر اُسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ میں کمال جسمی اور مزید بر آں ہی۔

شفاء مرضیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عیسے علیہ السلام پر فضیلت

علی ہذا القیاس حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ لگانے سے ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا فی الفور صحیح وسالم ہوجانا اور بگڑی ہوئی آنکھ کا آپکے ہاتھ لگاتے ہی اچھا ہوجانا فقط یوں ہی بیماروں کے اچھے ہوجانے سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ وہاں تو اس سے زیادہ کیا ہے کہ خداوند عالم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہتے ہی بیماروں کو اچھا کر دیا۔ کچھ برکت جسمانی حضرت عیسے علیہ السلام نہیں پائی جاتی۔ اور یہاں دونوں موجود ہیں۔ کیونکہ اصل فاعل تو پھر بھی خداوند عالم ہی رہا پر بواسطہ جسم محمدی اس اعجوبہ کا ظاہر ہونا بیشک اس بات پر دلالت کرتا ہی کہ آپ کا جسم مقدس منبع البرکات ہی۔

انشقاق قمر کا معجزہ سکون آفتاب یا عود آفتاب سے مقابلہ

اور سینئے حضرت یوشع علیہ السّلام کے لیے آفتاب کا ایک جگہ قائم رہنا یا حضرت لسیعیا کے لیے یا کسی اور کے لیے آفتاب کا غروب کے بعد لوٹ آنا اگرچہ معجزہ عظیم الشان ہی مگر انشقاق قمر اس سے کہیں زیادہ ہی۔ کیونکہ اول تو حکماے انگلینڈ اور فیثا غورسیوں کے مذہب کے موافق اُن دونوں معجزوں میں زمین کا سکون یا کسیقدر اُسکا الٹی حرکت کرنا ثابت ہوگا۔

افلاک کے نفی و اثبات کا سمٰوات پر کوئی اثر نہیں

اور میں جانتا ہوں کہ حضرات پادریان انگلستان بپاس وطن اسی مذہب کو قبول فرمائینگے۔ بطلیموسیوں کے مذہب کو یعنی حرکت افلاک و شمس و قمر و کواکب کو تسلیم نہ کرینگے۔ اور اگر دربارہ افلاک مخالفت کا ہونا باعث عدم قبول ہو تو اُسکا یہ جواب ہے کہ حکماے انگلستان کے موافق آسمانوں کے اثبات کی ضرورت نہیں گو اُنکے طور پر انکار بھی ضروری نہیں۔ اگر تمام کواکب کو آسمان سے ورے مانیے اور آفتاب مرکز عالم پر تجویز کیجئے اور آسمان سے ورے ورے زمین وغیرہ کا اُسکے گرد اگرد متحرک ہونا تجویز کیجیے تو اُنکا کچھ نقصان نہیں نہ اُنکی راے و مذہب میں خلل آسکتا ہے۔

شق قمر خلاف طبیعت ہی اور سکون آفتاب حقیقت میں سکون زمین

بالجملہ بطور حکماء انگلستان اس معجزہ کا خلاصہ یہ نکلیگا کہ زمین کی حرکت مبدل بسکون ہو گئی یا اُس کی (مسلمہ) حرکت کے بدلے تھوڑی دور اُدھر کو حرکت ہو گئی۔ مگر بوجہ قرب زمین اس بات میں اتنا تعجب نہیں جتنا انشقاق قمر میں تعجب ہی۔ کیونکہ وہاں ایک تو یہ بات کہ لاکھوں کوس دور اتنی دور

اوپر کیطرف تاثیر کا پہونچنا بہ نسبت اسکے کہ اس چیز پر تاثیر ہو جاے جو اپنے زیر قدم ہو اور وہ بھی قدموں سے لگی ہو کہیں زیادہ ہی۔ علاوہ بریں اس تاثیر اور اُس تاثیر ہیں فرق زمین و آسمان ہی۔ حرکت کا مبدل بسکون ہو جانا اتنا دشوار نہیں جتنا ایک جسم مضبوط کا پھٹ جانا۔ کیونکہ ان اجسام کی حرکت اگر اختیاری ہی تو اختیار سے جیسے حرکت متصور ہی ایسے ہی سکون بھی متصور ہے۔ اور اگر کسی دوسرے کی تحریک سے اُنکی حرکت ہی تو اس صورت میں سکون اُنکے حق میں اصل مقتضاے طبیعت ہوگا۔ اس صورت میں سکون کا عارض ہو جانا کچھ اُنکے حق میں دشوار نہوگا جو اُسکے قبول سے انکار ہو۔ پر پھٹ جانا چونکہ خلاف طبیعت ہی دشوار ہوگا۔ اور چاند کو جاندار فرض کیجیے تو اور بھی اُسکے حق میں مصیبت عظیم سمجھیے۔ اس صورت میں بیشک انشقاق قمر سکون زمین سے کہیں اعلیٰ اور افضل ہوگا۔

ہر قسم کی حرکت طبعی ہو خواہ قسری بلا شعور و ارادہ نہیں ہو سکتی

اسی پر حرکت معکوس کو خیال کر لیجیے یعنی حرکت زمین اگر اختیاری ہے تب اُسکو حرکت معکوس دشوار نہیں ہماری حرکت چونکہ اختیاری ہے اسیلیے جس طرف کو ہم چاہیں جا سکتے ہیں۔ اور اگر حرکت زمین کسی دوسرے کی تحریک سے ہے تو اُس کی تحریک سے حرکت معکوس بھی ممکن ہی۔ باقی ایسا محرک تجویز کرنا جسکو ادراک و شعور نہو اور اُس سے سوا حرکت واحد یعنی ایک طرفی حرکت کی دوسری حرکت صادر ہی نہو سکی اور اُسکا نام طبیعت رکھنا اُنہیں لوگوں کا کام ہے جنکو ادراک و شعور نہو۔ کیونکہ حرکت بے اُسکے متصور نہیں کہ ایک جہت اور ایک جانب راجح اور معین ہو جاے

اور ظاہر ہے کہ یہ بات بے ادراک وشعور ممکن نہیں سو اگر طبیعت خود مرجح ہوتی ہے تب تو اُسی کا ادراک وشعور ثابت ہو گیا اسیلیے وہ حرکت ارادی ہو گئی اور اگر مرجح کسی اور کا ادراک وشعور ہے تو حرکت طبعی قسری یعنی دوسرے کی تحریک سے ہو گئی۔ اور حقیقت میں طبیعت کے یہی معنی ہیں۔ چنانچہ اس لفظ کا عربی زبان میں بمعنی مفعول ہونا خود اس بات پر شاہد ہے۔

الحاصل سکون زمین ہو یا حرکت معکوس دونوں طرح انشقاق قمر کے برابر نہیں ہوسکتی اسپر قرب و بعد فوقیت تحتیۃ محل تاثیر کا فرق مزید برآں رہا۔

کسی کی استدعا قبول ہونی اُنکی عظمت ہی پر موقوف نہیں

اور اگر فرض کیجیے حضرات نصرانی آفتاب ہی کو متحرک کہیں تب بھی یہی بات ہے کہ سکون آفتاب یا حرکت معکوس آفتاب ارادی ہو یا نہو دونوں طرح شق قمر سے مشکل نہیں۔ البتہ قرب و بعد محل تاثیر بظاہر یہاں معکوس ہو گیا ہے۔ کیونکہ آفتاب قمر سے دور ہے۔ مگر اول تو متحرکین بالاختیار کا بوجہ امر و نہی واستدعا والتماس دور سے تھام لینا ممکن۔ آدمیوں اور جانوروں میں بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ دور کی آواز پر تھم جاتے ہیں یا چلدیتے ہیں پر دور سے کسی جسم کا پہاڑ دینا متصور نہیں سو اگر آفتاب خود اپنے ارادہ سے متحرک ہو تب تو حضرت یوشع کی استدعا کے بعد اُسکا ٹھہر جانا حضرت یوشع کی تاثیر پر اور قوت پر دلالت نہ کریگا۔ بلکہ اس بات پر دلالت کریگا کہ آفتاب نے اُنکی ایک بات مان لی۔ سو کسی کا کسی کی بات کو مان لینا کچھ اُس کی عظمت ہی پر منحصر نہیں۔ خدا بندوں کی دعا قبول کر لیتا ہے۔ تو کیا بندے اُس سے

بڑھ گئے اور کافروں کی سن لیتا ہی تو کیا وہ کچھ خدا کے مقرب ہو گئے۔ علی ہذا القیاس بسا
اوقات امرا و سلاطین مساکین کی عرض معروض سُن لیتے ہیں۔ تو کیا مساکین اُن سے
بڑھ جاتے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ استدعا ہی اس بات پر دلالت کرتی ہی کہ جس بات
کی استدعا کی جاتی ہی اُس بات میں مستدعی کو کچھ مداخلت نہیں۔ زیادہ نہیں تو وقت
استدعا تو ضرور ہی اُسکا بیدخل ہونا ثابت ہو گا۔

آفتاب بارادہ خود متحرک ہی

اور اگر آفتاب کسی دوسرے کی تحریک سے متحرک ہی تو پھر اُس کا
سکون محرک کے ہاتھ میں ہو گا۔ اور حضرت یوشع کی استدعا گو بظاہر آفتاب سے ہو گی
پر حقیقت میں اُس محرک سے ہو گی۔ مگر ظاہر الفاظ حکایت اسی بات پر دلالت کرتی ہیں
کہ آفتاب سے استدعا تھی اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں آفتاب کا بہ ارادہ خود متحرک
ہونا ثابت ہو گا۔

فلکیات میں خرق و التیام سکون و حرکت معکوس سے زیادہ دشوار ہی

علاوہ بریں بطور حکماء یونان زوال حرکت فلکیات محال
نہیں۔ کیونکہ اُنکے نزدیک یہ حرکتیں دائمی ہیں ضروری نہیں۔
اور ماہران منطق جانتے ہیں کہ مخالف ضرورت محال ہوتا ہی مخالف دوام محال نہیں ہوتا۔
اور خرق و التیام فلکیات یعنی افلاک و کواکب و شمس و قمر اُنکے نزدیک منجملہ محالات ہی۔
اور فلکیات کا بجنسہ باقی رہنا ضروری۔ گو واقع میں وہ محال اور یہ ضروری نہو۔ لیکن بہر حال
اتنی بات تو معلوم ہوئی کہ خرق و التیام میں بہ نسبت سکون و حرکت معکوس زیادہ دشواری
ہے جو ایسے ایسے عقلاء کو خیال امتناع و استحالہ ہوا۔

انشقاق قمر کا معجزات داؤدی سے مقابلہ

اسکے بعد گذارش ہی کہ اس معجزہ کو پتہر ونکے نرم ہو جانے یا لوہے کے نرم ہو جانے سے ملائیے اور پہر فرمائیے کہ تفاوت آسمان و زمین ہے کہ نہیں

برکت صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اثر۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ید بیضا کی خوبی میں کچہہ کلام نہیں۔ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب کی چھڑی کے سر پر بطفیل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندہیری رات میں جب وہ آپ کی خدمت سے رخصت ہونے لگے روشنی ہوگئی وہ جانے والے دو شخص تھے جہاں سے راہ جدا ہوا وہاں سے وہ روشنی دونوں کے ساتھ ہولی۔ اب خیال فرمائیے دست مبارک موسیٰ علیہ السلام اگر جیب میں ڈالنے کے بعد بوجہ قرب قلب منور روشن ہوا تہا تو اول تو وہ نبی دوسرے نور قلب کا قرب و جوار۔ جیسے بوجہ قرب ارواح اجسام میں اُنکے مناسب حیات آجاتی ہے ایسے ہی بوجہ قرب نور قلب دست موسوی میں اُسکے مناسب نور آجاے تو کیا دور ہے۔ یہاں تو وہ دونوں صاحب نہ نبی تھے نہ اونکی لکڑی کو قلب سے قرب و جوار نہ اخذ فیض میں وہ قابلیت جو بدن میں بہ نسبت رُح ہوتی ہی۔ فقط برکت صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھی

برکت صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا اثر

اور بیٹے آتش نمرود نے اگر جسم مبارک حضرت ابراہیم کو نہ جلایا تو اتنا تعجب انگیز نہیں جتنا اُس دستر خوان کا آگ میں نہ جلنا جو حضرت انس رضؓ کے پاس بطور تبرک نبوی تہا۔ اور وہ بہی ایکبار نہیں بار ہا اس قسم کا اتفاق ہوا کہ جہاں میل چکناٹ زیادہ ہوگیا جبہی آگ میں ڈال دیا اور جب میل چکناٹ جلگیا جبہی نکال لیا یہ قصہ مثنوی مولانا روم میں مذکور ہے اور اور حکایتیں اور کتابوں میں مذکور ہیں۔ مگر خیال

فرمائیے کہ ایک تو آدمی کا نہ جلنا اتنا موجب تعجب نہیں جتنا کھجور کے پٹہونکے دسترخوان کا اور وہ بھی ایسا جسپر عجب نہیں چکناٹ بھی ہوتا ہو۔ دوسرے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دسترخوان میں زمین آسمان کا فرق وہ خود نبی اور نبی بھی کیسے خلیل اللہ اور وہاں دسترخوان میں فقط اتنی بات کہ کہ وبیگاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا گیا ہو اور آپنے اُسپر کھانا کھایا ہو۔

معجزات قرانیہ کا ثبوت اعلیٰ درجہ کا ہے

الحاصل معجزات عملی میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سب میں فائق ہیں۔ اور پہر وہ معجزات جو قرآن میں موجود ہیں اُنکا ثبوت تو ایسا یقینی ہے کہ کوئی تاریخی بات اُسکے ہم پلہ نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ کوئی کتاب سوائے قرآن شریف عالم میں ایسی نہیں کہ اُسکا لفظ لفظ متواتر ہو اور لاکھوں آدمی اُسکے حافظ ہوں۔ بلکہ کسی کتاب کا ایک دو حافظ بھی عالم میں شاید ہو۔

معجزات حدیثیہ کا ثبوت توراۃ وانجیل سے کم نہیں

سوا اسکے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات میں تو توراۃ وانجیل کے ساتھ مساوی ہیں۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ بھی اپنی کتابوں کی نسبت اس بات کے قائل ہیں کہ مضامین الہامی اور الفاظ الہامی نہیں۔ اہل اسلام بھی اس بات کے قائل کہ مضامین احادیث وحی سے متعلق ہیں پر الفاظ وحی میں نہیں آئے چنانچہ اسیوجہ سے قرآن و حدیث کو باہم ممتاز سمجھتے ہیں۔

اور قرآن شریف کو جو نماز میں پڑھتے ہیں اور احادیث کو نہیں پڑھتے تو اُس کی بھی یہی وجہ ہے کہ وہ وقت گویا ہمکلامی خدا ہے اُسوقت وہی الفاظ چاہئیں جو خدا کے یہاں سے

آئے ہیں - زیادہ فرصت نہیں اور نہ زیادہ گنجائش ورنہ اس مضمون کو انشاءاللہ دا شگاف کر کے دکہلا دیتا - مگر باوجود اس تساوی کے یہ فرق ہو کہ اہل اسلام کے پاس احادیث کی سندیں من اولہ الی اخرہ موجود - اس زمانہ سے لیکر اوپر تک تمام راویوں کا سلسلہ بتلا سکتے ہیں - اور ظاہر ہے کہ یہ بات کسقدر موجب اعتبار ہے - علاوہ بریں جس زمانہ تک احادیث متواتر نہیں اُس زمانہ تک کے راویوں کے احوال مفصل بتلا سکتے ہیں کیونکہ اس علم میں کثرت سے کتابیں موجود ہیں ہاں ایک دو روایت شاید ایسی بہی ہو گی کہ مثل توریت و انجیل انکی سند کا آجکل پتا نہ نکلے - مگر جب حضرات نصاریٰ سے مقابلہ ہو تو پہر اُن روایات کے پیش کرنے میں کیا حرج - اسکے بعد اہل انصاف کو تو مجال دمزدن نہیں -

اہل کتاب کی بے انصافی

یہ کیا انصاف ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات تو اُن روایات کے بہروسے تسلیم کر لیے جائیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات باوجودیکہ ایسی ایسی روایات متصلہ ہوں تسلیم نہ کیے جاویں اور پہر تماشا یہ ہے کہ ایسی بے معنی حجتیں کیجاتی ہیں کہ کیا کہیئے -

معجزات کا قرآن میں ذکر ہو بابۂ اسکی تحقیق

کوئی صاحب فرماتے ہیں یہ معجزے قرآن میں مذکور نہیں مگر اول تو کوئی پوچھے کہ قرآن میں مذکور ہونا جو تسلیم کے لیے ضروری ہو تو یہ ضرورت بشہادت عقل ہو یا بشہادت نقل - عجب اندہیر ہے کہ تاریخوں کی باتیں تو جنکے مصنف اکثر سُنی سنائی لکہتے ہیں اور راویوں کی کچہہ تحقیق نہیں کرتے اور پہر آج اُن تاریخوں کی کوئی سند مصنف تک نہیں ملتی ، حضرات نصاریٰ کے دل میں نقش کالحجر ہو جائیں -

اور نہ مانیں تو احادیث محمدی کو نہ مانیں۔

بعض معجزات قرانیہ کا ذکر

علاوہ بریں اگر یہ مطلب ہی کہ کوئی معجزہ قرآن میں مذکور نہیں تو یہ از قسم دروغ گویم برروے تو ہی۔ شق قمر اور کثرت سے پیشین گوئیاں جن میں سے اسلام میں خلفا کا ہونا اور فارس سے لڑائی کا ہونا اور روم کا مغلوب ہونا اور سوائے اُنکے اور بہت موجود ہیں۔

ایمان کے لیے ایک معجزہ کافی ہی

اور اگر یہ مطلب ہی کہ سارے معجزے قرآن میں موجود نہیں تو ہماری یہ گذارش ہے کہ ایمان کے لیے ایک ہی کافی ہی۔

مدار قبول صحت سند پر ہی نہ خدا کے نام لگجانے پر

علاوہ بریں مدار کار قبول روایت سند پر ہی خدا کے نام لگجانے پر نہیں ورنہ لازم یوں ہی کہ حضرات نصاریٰ سوا ان چار انجیلوں کے جتنی انجیلیں کہ اب مردود غلط سمجھتے ہیں اُن سب کو واجب التسلیم سمجھیں۔ اور جب مدار کار روایت سند پر ہوا تو پہر احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم واجب التسلیم ہونگے اور توریت وانجیل واجب الانکار۔

اور یہ جو کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن میں معجزونکے دکھلانے سے انکار ہے۔ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ ایسا انکار ہی جیسا انجیل میں انکار ہی۔

شق قمر کے تاریخی ثبوت کی تحقیق

کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر انشقاق قمر ہوا ہوتا تو سارے جہان میں شور پڑجاتا۔ تاریخوں میں لکہا جاتا۔ اول تو یہی ایک معجزہ نہیں جسکے عدم ثبوت سے کچہ خلل واقع ہو۔ علاوہ بریں یہ خیال نہیں فرماتے کہ اگر ایسے وقائع میں شور عالمگیر کا

ہونالازم ہے اور تاریخوں میں لکہاجانا ضروری ہے تو اُس اندہیری کا کونسی تاریخ میں ذکر اور کہاں کہاں شور ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی دینے کے دن واقع ہوا تہا اور اُس ستارہ کا کون کونسی کتاب میں ذکر ہے اور کہاں کہاں شور ہے جو حضرت عیسےٰ کے تولد کے دنوں میں نمایاں ہوا تہا۔ اور آفتاب کے پہر بہر تک ساکن رہنے کا کہاں کہاں چرچا ہے اور کون کون سی کتاب میں مذکور ہے۔ علی ہذالقیاس اور وقایع کو خیال فرمایئے۔

علاوہ بریں دن کے واقعات اور رات کے حوادث میں عموم اطلاع کے باب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ خاصکر اندہیری رات کا ہوجانا کہ اُس کی اطلاع تو ہر کس و ناکس کو ضرور ہے۔ انشقاق قمر کی اطلاع تو سوا اُن صاحبوں کے ضروری نہیں کہ اُسوقت بیدار بہی ہوں اور پہر نگاہ بہی اُنکی چاند ہی کی طرف ہو اور ظاہر ہے کہ یہ بات شب کے وقت بہت کم اتفاق میں آتی ہے کہ بیدار بہی ہوں اور نگاہ بہی اُدہر ہو اور اگر فرض کیجے کہ موسم سرما ہو تو یہ بات اور بہی مستبعد ہو جاتی ہے۔

علاوہ بریں طلوع قمر کے تہوڑی دیر کے بعد یہ قصہ واقع ہوا۔ اسیلیے جبل حرا کے دونوں ٹکڑوں کے بیچ میں حائل ہوجانیکا مذکور ہے۔ اس صورت میں ممالک مغرب میں تو اُسوقت تک عجب نہیں طلوع بہی نہوا ہو۔ اور بعض بعض مواقع میں عجب نہیں کہ ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے کی آڑ میں آگیا ہو۔ اور اسیلیے انشقاق قمر اس جا پر محسوس نہوا ہو ہاں ہندوستان میں اُسوقت ارتفاع قمر البتہ زیادہ ہوگا اور اسیلیے وہاں اور جگہ کی نسبت اس کی اطلاع کا زیادہ احتمال ہے۔ مگر جیسے اُسوقت ہندوستان میں ارتفاع قمر زیادہ

ہوگا ویسا ہی اُسوقت رات بہی آدہی ہوگی اور ظاہر ہی کہ اُسوقت کون جاگتا ہوتا ہی۔

سوا اسکے ہندوستانیوں کو قدیم سے اس طرف توجہ ہی نہیں کہ تاریخ لکہا کریں۔ باانہمہ تاریخوں میں موجود ہی کہ یہاں کے ایک راجہ نے ایک رات یہ واقعہ بچشم خود دیکہا ہی۔ زیادہ اس سے کیا عرض کیجیے۔ اہل انصاف کو یہ بہی کافی ہی اور نا انصاف لوگ عذاب آخرت ہی کے بعد تسلیم کریں تو کریں۔

خاتمہ حلت گوشت

مگر ہاں حضرات ہنود کے دل میں شاید ہنوز یہ خدشہ حلت گوشت کا کہٹکا ہو اور یہ خیال ہو کہ گوشت کے لیے جانوروں کا ذبح کرنا سراسر ظلم ہے۔ ایک جان کے لیے اسقدر جانیں تلف کرنی کیونکر جائز ہو سکتی ہیں۔ باانیہمہ تلف بہی کاہے کے لیے کرتے ہیں ایک ذراسی لذت کے لیے۔ یہ بہی نہیں کہ مدار زندگانی انسان حیوانات کے گوشت پر ہو۔

تحلیل لحم ظلم نہیں

اسیلیے یہ گذارش ہی کہ ہم اگر بطور خود بے اجازت خداوندی جانورونکو ذرا بہی ستائیں تو بیشک ظلم ہو۔ مگر اسکو خیال فرمائیے کہ ہم باجازت مالک الملک اُنکو حلال جانتے ہیں۔ اُس کی اجازت کے بعد بہی جانور حلال نہوں تو اُسکے یہ معنی ہیں کہ خداوند عالم کو جانوروں کا اختیار نہیں۔ حیوانات اُسکے مملوک نہیں۔ مگر تمہیں کہو یہ کتنا بڑا ظلم ہی کہ مالک کو اپنی چیز کا اختیار نہو۔ تماشا ہے کہ جانوروں کا ذبح کرنا تو ظلم ہو اور خدا تعالی کو اجازت کی ممانعت ظلم نہو۔ پہر اُسپر نہ معلوم سواری اور باربرداری اور دودہ کا پینا کونسے استحقاق پر مبنی ہی۔

گوشت کہانا انسان اور حیوان دونوں کے لیے مناسب ہے

اور اگر یہ خیال ہو کہ خدا کو تو اختیار ہی پر انسان کے واسطے انکا حلال ہونا مناسب نہ تہا۔ تو اُسکا اول تو یہ جواب ہو کہ مناسب اگر اسکو کہتے ہیں کہ موافق اپنے استحقاق کے کام کیجیے تو کوئی صاحب فرمائیں تو سہی کہ وہ ایسی کونسی چیز ہے کہ خدا کو اُسپر استحقاق نہیں۔ اور ایسا کونسا استحقاق ہو جو خدا کو اپنی مخلوقات پر حاصل نہیں ۔ اور اگر مناسب اسکو کہتے ہیں کہ جیسے آئینہ اور پتہر میں فرق قابلیت ہی اور اسلیے آئینہ کو آفتاب زیادہ نور عطا کرتا ہے اور پتہر کو کم۔ اور بوجہ فرق قابلیت یہی مناسب ہی اسکے مخالف ہو تو نامناسب ہی۔ تو اُسکا جواب یہ ہی کہ بیشک انسان اس بات کا مستحق ہی کہ اُسکے لیے یہ چیزیں حلال ہوں۔ کہنہ مکان کو اگر گرا کر دوسرا نیا عمدہ مکان بنائیں تو اُسکو کوئی شخص بایں معنی نامناسب نہیں کہہ سکتا کہ پکا عمدہ مکان بنانے کے قابل نہیں۔ ایسے ہی اگر حیوانات کو ذبح کرکے اُسکے گوشت سے بدن انسانی بنایا جاے تو عین صواب ہی۔ غرض بُری چیز کو توڑ پہوڑ کر عمدہ چیز کا بنانا مناسب ہی نہیں بلکہ عین مناسب ہی۔ انسان کے لیے تو یوں مناسب کہ اور غذائیں مادۂ بعید اور گوشت مادۂ قریب ہی اور اسلیے گوشت سے کامل گوشت پیدا ہو تو عجب نہیں۔ کیونکہ فضلات کے اندفاع کے بعد اور بہی صفائی کی امید ہی۔ اور حیوانات کے حق میں یوں مناسب کہ پہلے اُس گوشت سے قوام جسم حیوانی تہا اب قوام جسم انسانی میسر آیا۔ جسکا یہ حاصل نکلا کہ پہلے آلہ و مرکب روح ادنیٰ تہا اب آلہ و مرکب روح اعلیٰ ہوگیا۔ اور ظاہر ہے کہ ترقی مدارج حسن ہرگز قابل گرفت نہیں۔

گوشت کہانا انسان کیلیے طبعی ہی

علاوہ بریں انسان کو مثل شیر و چیتا و بہیڑیا وغیرہ کچلیوں کا عطا کرنا خود اس جانب مشیر ہے کہ اس کی غذا اصلی گوشت ہی۔ اور اہل عقل کے نزدیک

یہ بات کم از اجازت نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جتنی چیزیں دی گئیں ہیں کسی نہ کسی کام کے لیے دی گئیں ہیں۔ آنکھ کان جیسے دیکھنے سننے کے لیے ہیں اور اسیلیے دیکھنے سننے کی اجازت ہوئی۔ ایسے ہی کچلیوں کو بھی خیال فرمالیجیے۔

حلت گوشت میں جانوروں کی تفریق

ہاں یہ بات مسلم کہ سارے حیوانات یکساں نہیں۔ ہر کسی کے گوشت میں جدی تاثیر ہے۔ جس جانور کا گوشت مفید ہوگا وہی جائز ہوگا۔ جس جانور کا گوشت مضر ہوگا بقدر مضرت ناجائز ہوگا۔ کیونکہ خداوند کریم کے امر و نہی و اجازت و ممانعت آدمی کے نفع و نقصان کے لحاظ سے ہی اپنے نفع و نقصان کے لحاظ سے نہیں اسیلیے سُور و شیر وغیرہ درندوں کا گوشت قابل ممانعت ہی۔ کیونکہ سُور تو سراپا نجس دوسرے بیحیا اُسکی مادہ پر جسکا جی چاہے جست کرے اُسکو کچھ پرواہ نہیں۔ اسیلیے وہ قابل حرمت نظر آیا تاکہ اُسکے کہانے سے بیحیائی نہ پہیا جاے اور دل و جان ناپاک نہو جائیں جس سے خیالات ناپاک پیدا ہوں اور شیر وغیرہ جانوراں درندہ بوجہ بداخلاقی قابل ممانعت تہی۔ تاکہ اُنکے کہانے کی تاثیر سے مزاج میں بدخلقی نہ پیدا ہو جاے۔ کیونکہ جیسے گرم غذا سے گرمی اور سرد سے سردی پیدا ہوتی ہی ایسے ہی اخلاق و کیفیات و خواص انواع حیوانات کو خیال فرمالیجیے۔ فقط

تمت